گلستانِ رومی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی مثنوی شریف سے انتخاب
ایسے سبق آموز اور حیرت انگیز واقعات کا سلیس مجموعہ جن کے مطالعے سے

نوجوانوں اور بچوں میں اخلاق کی اصلاح کا جذبہ پیدا ہوجائے ★ اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت حاصل کرنے کا پاکیزہ شوق ابھرے ★ پُرفتن دور میں ایمان کی حفاظت کے گُر حاصل ہوجائیں

تالیف ابو یوسف، مفتی محمد نعیم
رئیس مرکز الافتاء والارشاد طریقۃ السالکین کراچی

خلیفہ مجاز بیعت
شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ النور کراچی

گلستانِ رومی

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی مثنوی شریف سے انتخاب
ایسے سبق آموز اور حیرت انگیز واقعات کا سلیس مجموعہ جن کے مطالعہ سے
نوجوانوں اور بچوں میں اخلاق کی اصلاح کا جذبہ پیدا ہوجائے ★ اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت
حاصل کرنے کا پاکیزہ شوق ابھرے ★ پُرفتن دور میں ایمان کی حفاظت کے گُر حاصل ہوجائیں

خلیفہ مجاز بیعت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فہرست

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تقریظ

باسمہ تعالیٰ شانہ

HAKIM MUHAMMAD AKHTAR

NAZIM
MAJLIS-E-ISHATUL HAQ

KHANQAH IMDADIA ASHRAFIA
ASHRAFUL MADARIS
GULSHAN-E-IQBAL-II, KARACHI.
P.O.BOX NO. 11182
PHONES 461988 - 462678 - 4981356

حکیم محمد اختر عفی عنہ
ناظم مجلس اشاعۃ الحق
خانقاہ امدادیہ اشرفیہ / اشرف المدارس
گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
پوسٹ بکس نمبر ۱۱۱۸۲

عزیزم مفتی محمد نعیم صاحب سلمہ نے احقر کی کتاب معارف مثنوی کی حکایات کو نئے عنوانات و ترتیب اور مشکل الفاظ کے معانی کے ساتھ مثنوی مولانا روم کے ایمان افروز واقعات کے نام سے شائع کیا ہے۔ احقر نے جستہ جستہ مختلف مقامات کو دیکھا الحمدللہ بہت مفید پایا۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی مساعی کو قبول فرمائے اور امت کے لئے نافع بنائے۔ آمین۔

معارف مثنوی کا جو کام حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے احقر کے ناچیز ہاتھوں سے لیا اس میں مثنوی مولانا روم کی نہایت ضروری اور مفید حکایات کا انتخاب اس طرح ہو گیا ہے کہ ہر حکایت کو بیان اس کے مفید نتائج اور نصائح مکمل کر دینے کے بعد دوسری حکایت کا آغاز کیا گیا ہے جبکہ حضرت رومیؒ کے زمانے سے لے کر آج تک سات سو برس کے اندر اس انداز کا کوئی انتخاب شائع نہیں ہوا تھا چنانچہ سابقہ تمام تراجم و شروح میں ایک حکایت کے اندر متعدد حکایات داخل ہونے سے ان کو سمجھنے اور ان سے سبق حاصل کرنے میں بہت دقت ہوتی تھی اور وقت بھی بہت لگتا تھا۔ ہر حکایت علیحدہ جمع ہو جانے سے مثنوی مولانا رومؒ سے استفادہ آسان ہو گیا اسی لئے برصغیر کے اکابر علماء نے معارف مثنوی کی بہت پذیرائی فرمائی اور دنیا کی مختلف زبانوں مثلاً انگریزی، فرانسیسی اور گجراتی وغیرہ میں اس کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ معارف مثنوی مثنوی رومیؒ کا لفظی ترجمہ نہیں ہے بلکہ ایک مستقل طرز تحریر ہے جو کہ حضرت شیخ پھولپوریؒ کی خدمت کے صدقہ میں محض حق تعالیٰ کی عطا ہے۔

پیش نظر رسالہ درحقیقت معارف مثنوی کے حصہ اول یعنی حکایات مثنوی کا جدید نام ہے کیونکہ مفتی صاحب نے نہایت دیانت کے ساتھ معارف مثنوی کے ایک ایک جملہ اور عبارت کو نقل کیا ہے البتہ آجکل کی اردو دانی کے معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے حکایات کو نئے عنوانات دے کر اور بعض الفاظ کے متبادل الفاظ لکھ کر نصائح کی توضیح سے طالبین اور خصوصاً انگریزی خواں طبقہ کے لئے استفادہ کو مزید آسان کر دیا ہے۔ حق تعالیٰ مفتی صاحب کو شرف قبول عطا فرمائیں آمین۔

محمد اختر عفا اللہ عنہ
۲۶ رجب المرجب [illegible]

تقریظ

شیخ العلماء والصلحاء،

حضرت اقدس شاہ فیروز عبداللہ میمن صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم

خلیفہ ارشد

شیخ العرب والعجم عارف باللہ

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب قدس اللہ سرہ

میرے احبابِ خصوصی میں بہت ہی خاص دوست اور میرے شیخ، میرے مربی ومحسن، شیخ العرب والعجم، رومیِ ثانی، تبریزِ دوراں، حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور مجازِ بیعت عزیزم حضرت مفتی محمد نعیم صاحب دامت برکاتہم سے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے، اللہ تعالیٰ کے کرم سے، اللہ کے لئے محبت ہے، اللہ تعالیٰ اسے قائم ودائم رکھیں، اس میں ساعۃً فساعۃً اضافہ فرمائیں، آمین! انہوں نے مثنوی شریف میں سے پہلے بھی بچوں کے لیے منتخب واقعات "مثنوی مولائے روم" کے نام سے چھاپی تھی، جو بہت مقبول ہوئی۔ ابھی پھر انہوں نے اور باتیں جمع کی ہیں، مختلف کتابوں سے بھی، لیکن زیادہ تر شیخ العرب والعجم، عارف باللہ، حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی شریف کی شرح "معارفِ مثنوی" سے اور ان ساری باتوں کو آسان کر کے الحمدللہ! کتاب اور لکھی ہے، اللہ تعالیٰ بہت برکتیں عطا فرمائیں۔

"مثنوی شریف" کے لئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہوئی باتیں نقل کرتا ہوں، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تین کتابیں انوکھی ہیں: "قرآن شریف، بخاری شریف اور مثنوی شریف۔" اور حکیم الامت،

مجدد الملت، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض حضرات کا ذوق ایسا ہے کہ ان کے مذاق کے لئے مثنوی شریف بمنزلۂ ذکر اللہ ہے، اور حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مثنوی شریف سینے میں عشقِ خدا کی آگ لگادیتی ہے۔

ہمارے پیارے شیخ، ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا کہ میرا پہلا شیخ مثنوی شریف ہے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے، مثنوی شریف پڑھا کرتے تھے اور مثنوی کے اشعار پڑھ پڑھ کر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ رویا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ بھی ایسا عطا فرمایا (حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ) جن کے دل میں مثنوی شریف کے عشق کی آگ لگی ہوئی تھی، مثنوی شریف کے عاشق تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ مثنوی شریف میں عشقِ حق کی آگ لگی ہوئی ہے اور اپنے پڑھنے والوں کے سینوں میں بھی آگ لگادیتی ہے۔ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نمازِ عصر کے بعد اکثر مثنوی شریف کا درس دیتے تھے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن ہی سے اس کا شوق تھا، اس سے بہت محبت تھی اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ پر مثنوی شریف کا فیض بھی غالب ہے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف کی جو شرح لکھی، اس میں اگر آپ دیکھیں گے تو قرآن پاک اور حدیث پاک کے ساتھ اُس کی تفصیل اور تشریح کی گئی ہے اور اشعار کی درد بھری تفسیر کرتے ہوئے اس کو سمجھانے کے لئے مثالیں پیش کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس طرح حضرت والا سے کام لیا۔ میں نے سنا کہ سات سو برس میں اردو میں ایسی کتاب نہیں دیکھی۔

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بہت مسرور ہوتے تھے اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی شرح پر آب دیدہ ہوجاتے تھے، شرح کے دوران حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اَشک بار اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ بھی اَشک بار ہوتے تھے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مثنوی شریف کی کچھ شرح دل میں آئی ہے، آپ کو میں سناؤں؟ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے شرح

سن کر خوش ہوا کرتے تھے۔ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ پر خاص کیفیت طاری تھی۔ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لے کر نمازِ فجر کے بعد بیٹھے اور حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا لطف آیا کہ مثنوی کی شرح سنتے سنتے گیارہ بج گئے، یعنی پانچ گھنٹے تک ہمارے پیارے شیخ نے اپنے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو مثنوی کی دردناک شرح سناتے رہے، حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سنتے رہے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی بہت تمنا تھی اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ سے روتے تھے کہ حق تعالیٰ ''مثنوی شریف'' کے علوم اور معارف حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے، عشق ناک اور دردناک انداز سے تالیف کرادیں، جو سینوں میں حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت اور تڑپ کا ذریعہ بن جائے۔پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کام لیا۔

ظاہر بات ہے کہ خود مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے اتنے بڑے پیارے اور ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے مثنوی شریف کی شرح لکھی، وہ بھی اللہ کے اتنے بڑے پیارے۔تو جب حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ جب درسِ مثنوی دیتے تھے تو کئی ملکوں کے علماء موجود ہوتے تھے، جو دروس فجر کی نماز کے بعد ہوتے تھے وہ ''درسِ مثنوی مولائے روم'' کے نام سے کتاب کی شکل میں بھی آگئی تھی، پھر اس کے بعد ''فغانِ رومی'' منظرِ عام پر آئی، جس میں مثنوی شریف کے دعائیہ اشعار کی حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے عاشقانہ تشریحات کی ہیں۔حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی شریف کی شرح اور بعض دیگر کتابوں میں سے بچوں کے لئے منتخب کیے واقعات کی یہ کتاب ''گلستانِ رومی'' ماشاء اللہ میرے بہت ہی عزیز دوست حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب دامت برکاتہم نے لکھی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پڑھنے کی، اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جو اس کتاب کو پڑھے، جہاں جہاں یہ کتاب پہنچے، جو جو سنے تو اللہ تعالیٰ اسے اللہ والا بنادیں، مجھے بھی اللہ والا بنادیں۔مثنوی شریف میں جگہ جگہ شیخ کے بارے میں اور صحبت کے بارے میں، تقویٰ کے بارے میں جو نصیحتیں لکھی ہیں۔مولانا

رومی رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

کہ لوگ تو مجھے مُلّا رومی، مُلّا رومی کہتے تھے، مولائے روم کب بنا؟ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے صحبت عطا فرمائی۔

شیخ کی قدردانی نے ہماری زبان وقلم سے عجیب درد بھری شرح اُمت کو عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی شریف کی شرح پڑھنے کی اور آگے پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی دعا تھی کہ اے اللہ! میری شرحِ مثنوی کو شرفِ قبولیت عطا فرما، جو بھی پڑھے تیرا عاشق اور دیوانہ بن جائے، یا اللہ! اس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی کروادے تو ماشاء اللہ ہمارے مفتی محمد نعیم صاحب نے پہلے بھی اس پر لکھا تھا اور ابھی پھر دوبارہ ماشاء اللہ اس پر لکھا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے، اپنے کرم سے خوب خوب اس کتاب کا نفع عام اور تام فرمادیں اور عزیزم مفتی صاحب کے فیوض وبرکات کو پوری دنیا میں پھیلادیں اور اللہ تعالیٰ نے جو حضرت مفتی صاحب کو علم وعمل کی دولت بخشی ہے، اس سے مجھے اور ہم سب کو اور پوری امتِ مسلمہ کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

حرفِ آغاز

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ !

مکتبۂ معرفت کی الیبلی، شہرۂ آفاق اور دلوں میں عشقِ الٰہی کی آگ لگا دینے والی عظیم کتاب ”مثنوی شریف“ کے مصنف شیخ الاسلام حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کسی تعارف کے محتاج ہیں اور نہ ہی ”مثنوی“ کی عارفانہ شرح ”معارفِ مثنوی“ کے مؤلف سیدی و مرشدی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی قدوسی شخصیت کسی تعارف کی محتاج ہے۔

حضرت مرشدی نور اللہ مرقدہٗ کی ذاتِ گرامی سے پورے عالم میں محبتِ الٰہی کا وہ فیضان ہوا کہ بے حد وحساب لوگوں نے تزکیۂ نفس اور عشقِ الٰہی کی حلاوت سے اپنے ایمانوں کو جلا بخشی اور اللہ تعالیٰ کے عظیم تعلق سے مالا مال ہوئے۔ آپ کے حق میں یہ کہتے ہوئے کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے ؎

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیے لاکھوں

اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہوگی !

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفِ لطیف ”معارفِ مثنوی“ بلاشبہ بڑی کثیر النفع، عوام اور خواص میں شرفِ قبول حاصل کرنے والی کتاب ہے۔ اس کتاب کے مضامین اللہ تعالیٰ کی معرفت ومحبت سے لبریز اور اپنی ذات میں بڑے عالی اور الہامی ہیں۔

عرصۂ دراز سے ناچیز راقم الحروف کے دل میں یہ تقاضا بڑی شدت سے تھا کہ حضرتِ والا کی اس تالیف سے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ واقعات اور حکایات اور ان سے حاصل ہونے والی نصیحت اور سبق کا انتخاب کیا جائے اور فصیح وبلیغ الفاظ

کو سادہ پیرائے میں منتقل کر دیا جائے تا کہ ہر شخص آسانی کے ساتھ حضرت والا کے فیضانِ معرفت سے استفادہ کر سکے۔

ایک طرف ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے فحش، مُخرّبِ اخلاق، دین بیزار ناولوں، افسانوں اور قصے کہانیوں کی کتابوں کے ہوتے ہوئے اور خاص طور سے اسمارٹ فون اور انٹرنیٹ کے بے دردی کے ساتھ استعمال کے دور میں جبکہ شیاطین (انسانی ہوں یا جناتی) اپنی پوری رعنائیوں اور رنگینیوں کے ساتھ اپنی پُرکشش ترغیبات کے ذریعے کروڑوں لوگوں کو یادِ الٰہی اور محبتِ الٰہی سے غافل کر رہے ہوں۔ فیس بک، یوٹیوب، ویڈیو گیمز، فنی پروگرامز اور رنگ برنگے چینلز (channels) ہوائے نفسانی کا ذریعہ بن رہے ہوں اور جی ہاں! ستم بالائے ستم لاکھوں لوگ فالورز (followers) اور سبسکرائبرز (Subscribers) کی کثرتِ تعداد کے جنون میں مبتلا ہوں اور بڑی تعداد اس کو ذریعۂ معاش بناتے ہوئے اس کے رنگین مگر نہایت سنگین جال میں پھنس چکے ہوں، ایسے حالات میں جب فحاشی اور عریانی کا سیلاب آچکا ہو تو اس چیز کی ضرورت میں مزید اضافہ ہو گیا کہ عام نوجوانوں بالخصوص اسکول و کالج کے طلبہ و طالبات کے سامنے ایسا مواد پیش کیا جائے جس میں ایسے دلچسپ واقعات ہوں جو حکمت و دانائی سے پُر، اصلاحِ اخلاق کے لیے نہایت پُراثر اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے والے ہوں۔ محبوبِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت اور شانِ جذب پر نظر کرتے ہوئے شاید کسی واقعہ اور بات سے دل پر چوٹ لگ جائے اور حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح سلطانِ دنیا سے سلطان الاولیاء بن جائیں اور دیوانہ وار شہوات اور رنگین دنیا سے نکل کر محبوبِ حقیقی کی یاد سے وابستہ ہو جائیں۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

چنانچہ ناچیز راقم الحروف نے سیدی و مرشدی حضرتِ عارف باللہ نور اللہ مرقدہٗ کی اجازت سے ''معارفِ مثنوی'' سے مضامین کا انتخاب، اس کی تسہیل اور ساتھ ساتھ بیان فرمودہ واقعے سے ملنے والے سبق اور نصیحت کو لکھنا شروع کر دیا۔

کتاب کے ابتدائی کچھ حصے کے کام کے بعد ناچیز نے حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کو جستہ جستہ سنایا تو آپ نے نہایت پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اسی طرز پر کام کی تکمیل کا حکم فرمایا۔

الحمدللہ! چند ہفتوں کی محنت کے بعد جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے عنایت فرمائی، یہ کام مکمل ہو گیا اور زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر طالبینِ مولیٰ کے ہاتھوں میں پہنچا۔

الحمدللہ! یہ مجموعہ ''مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان افروز واقعات'' کے نام سے بار بار شائع ہوتا رہا۔ کچھ عرصے کے بعد اس مجموعے کی ترتیبِ نو کی ضرورت کا احساس ہوا اور اس میں ''مثنوی مولانا روم'' سے ایک بڑا مواد حکایات کی صورت میں اضافہ کیا گیا، چونکہ حضرت مرشدی نور اللہ مرقدہ کی تقریظ پہلے مجموعہ پر تھی، لہٰذا احتیاطاً نئی تالیف کا نام ''گلستانِ رومی'' تجویز ہوا اور گذشتہ حکایات میں سے اکثر کے پیشِ نظر حصولِ برکت کے لیے حضرت والا قدس سرہٗ کے دعائیہ کلمات کو بھی اس نئی تالیف کی زینت بنایا گیا ہے۔

اس ناکارہ نے الحمدللہ تعالیٰ حضرت والا کے اس دریائے فیضان سے ذاتی طور سے بہت فوائد محسوس کیے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ آپ بھی اس کے مطالعے سے خود اور اپنی اولاد و احباب کی اصلاح میں واضح فوائد محسوس فرمائیں گے۔

آخر میں ان دو مقدس شخصیات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جن کی دعاؤں، توجہات اور فیضانِ صحبت کا ظہور اُن کے سانحۂ ارتحال کے بعد اس ناچیز کو سیدنا و

مولانا عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی غلامی کے شرف کی صورت میں ہوا۔ ان میں سے ایک میرے شیخِ اول شفیق الامت حضرت مولانا حاجی محمد فاروق صاحب نور اللہ مرقدہٗ (جو کہ مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل تھے) جن کے احسانات کا ذکر اس ناچیز کے بس سے باہر ہے۔ زمانۂ طالب علمی سے آغاز ہی میں حضرت شفیق الامت رحمۃ اللہ علیہ کے دامنِ فیض سے وابستگی رہی اور حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ توجہات اور شفقتیں بلا استحقاق عطا ہوتی رہیں۔ حضرت والا کی رحلت کے انتہائی عظیم صدمے کے بعد میرے شیخِ ثانی جامع المحاسن حضرت ڈاکٹر محمد صابر صاحب قدس اللہ سرہٗ میرے وہ عظیم محسن ہیں جن کی دعائیں اور توجہات اس ناچیز کے لیے سرمایۂ حیات اور بہت بڑی ڈھارس بنیں۔ مگر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی طویل علالت کے بعد اللہ کو پیارے ہوگئے اور محبوبِ حقیقی کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی مراد پاگئے۔

اللہ ربّ العالمین ان دو حضرات کے درجات میں ہمیشہ بلندی فرمائیں اور ان کی برکات سے اس ناچیز کو محروم نہ فرمائیں اور ان شخصیات کی جو ناقدری ہوئی اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ کا اس ناچیز پر بے حد و حساب کرم ہوا کہ اس نے ان حضرات کے بعد مرجع الخلائق، زبدۃ السالکین، شمس العارفین، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی غلامی کا شرف عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دل و جان سے دعا ہے کہ وہ حضرت رحمہ اللہ کی مرقدِ پاک پر اپنے انوارات اور رحمتوں کی بارش فرمائیں اور آپ کی تعلیمات پر کما حقہ تعمیلات کی توفیق عطا فرمائیں۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے سانحۂ ارتحال کے بعد میرے انتہائی مشفق، محسن،

جامع الکمالات، عارف باللہ حضرت اقدس شاہ فیروز عبداللہ میمن صاحب دامت برکاتہم کا دامن میرے لیے عظیم نعمت ثابت ہوا، فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِكَ اور بس کیا عرض کروں! آپ کی مسلسل شفقتوں اور دعاؤں نے اس ناکارۂ خلائق کو نہال کر رکھا ہے، زبان اور قلم ان کی مہربانیوں کے بیان سے قاصر ہیں۔ مولائے کریم آپ کے فیوض و برکات، اخلاص و تقویٰ اور راہِ سلوک میں آپ کی جہدِ مسلسل سے چار دانگ عالم کو مستفیض فرمائے اور حضرت اقدس کی للّٰہیت و اخلاص کے اعلیٰ مقام کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس ناکارہ اور عاجز غلام کو ایک نہایت عظیم الشان نعمت سے سرفراز فرمایا اور وہ نعمت اخترِ ثانی، امیرِ محبت، امام السلوک، ترجمانِ اکابرِ ثلاثہ، مرشدی و مولائی شیخ الحدیث حضرت مولانا شاہ عبدالمتین بن حسین ادام اللہ ظلال برکاتہ علینا (خانقاہ امدادیہ اشرفیہ و جامعہ حکیم الامت ڈھاکہ بنگلہ دیش) کے دامن فیاض سے وابستگی اور آپ سے غلامانہ نسبت ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِعِزَّتِهٖ وَجَلَالِهٖ تَتِمُّ الصّٰلِحَاتُ۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مولائے کریم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرشدی مدظلہٗ کا سایۂ عاطفت بعافیت ہمارے سروں پر سلامت رکھیں اور آپ کی والہانہ، عارفانہ، محققانہ تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے اور آپ کی برکت سے محبوبِ حقیقی کی یاد میں تڑپنے والا قلبِ شاکر، لسانِ ذاکر اور بدنِ صابر عطا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ناچیز راقم الحروف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور اپنی محبت و معرفت سے تمام مسلمانوں کے قلوب منور فرمائیں اور تمام لوگوں کے لیے گناہ چھوڑنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائیں اور اس حقیر کاوش کو میرے والدین مکرمین (رحمۃ اللہ علیہما)، اساتذۂ کرام، مشائخِ عظام اور جملہ اعزہ و احباب کے لیے ذخیرۂ آخرت اور ذریعۂ مغفرت و نجات بنائیں۔ آمین!

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بہادری کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کافروں کے ایک قلعہ کو فتح کرنے کے لیے اکیلے اس قوت اور طاقت سے حملہ آور ہوئے کہ معلوم ہو رہا تھا گویا وہ قلعہ ان کے گھوڑے کے پاؤں کے سامنے ایک لکڑی کے کھونٹ کے برابر ہے۔ یوں آپ کے حملہ کو دیکھ کر قلعہ والوں نے خوف سے قلعہ کا دروازہ بند کرلیا اور کسی بڑے سے بڑے کافر کو تاب نہ ہوئی کہ مقابلے کے لیے ان کے سامنے آئے۔

اس وقت قلعہ میں موجود بادشاہ نے وزیر سے مشورہ کیا کہ اس وقت کیا تدبیر کرنی چاہیے؟ وزیر نے کہا کہ بچنے کا راستہ صرف یہی ہے کہ آپ جنگ کے تمام منصوبوں اور ارادوں کو ختم کر کے اس باہمت شخص کے سامنے تلوار اور کفن لے کر حاضر ہو جائیں اور ہتھیار ڈال دیں۔

بادشاہ نے کہا کہ آخر وہ تنہا ایک شخص ہی تو ہے پھر ایسی بزدلانہ رائے مجھے کیوں دی جاتی ہے؟

وزیر نے کہا کہ آپ اس شخص کے اکیلے ہونے کو بے وقعتی کی نگاہ سے نہ دیکھیں، ان کو کمزور نہ سمجھیں، ذرا آنکھیں کھولیے اور قلعہ کی در و دیوار کو دیکھیے کہ سیماب (پارہ، جو ایک قسم کا پانی ہوتا ہے اور تھرما میٹر میں استعمال ہوتا ہے) کی طرح لرز اور کانپ رہے ہیں اور دوسری طرف اہل قلعہ کو بھی دیکھیے کہ بھیڑوں کی طرح گردنیں نیچی کیے سہمے ہوئے بیٹھے ہیں۔

وزیر نے مزید خوف زدہ ہو کر کہا: یہ شخص اگرچہ تنہا ہے لیکن اس کے سینے میں جو دل ہے وہ عام انسانوں جیسا نہیں ہے، اس کی عالی ہمتی دیکھیے کہ اتنی بڑی مسلح فوج

کے سامنے تنہا ننگی تلوار لیے کس ثابت قدمی اور فاتحانہ انداز میں اعلانِ جنگ کر رہا ہے! ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ مشرق و مغرب کی تمام فوجیں اس کے ساتھ ہیں، وہ تنہا بمنزلہ لاکھوں انسانوں کے ہے۔

وزیر نے مزید پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ قلعہ سے جو سپاہی بھی اس کے مقابلے کے لیے بھیجا جاتا ہے، وہ قتل ہو کر اس کے گھوڑے کی ٹاپ کے نیچے پڑا نظر آتا ہے۔ میں نے ان میں ایک عظیم الشان انفرادی طاقت دیکھی ہے۔

وزیرِ اعظم نے مزید التجا کرتے ہوئے کہا: اے بادشاہ! آپ کی اس اکثریت سے کچھ بھی نہ بن پائے گا۔ آپ اپنی تعداد کی کثرت کا اعتبار نہ کریں۔ اصل چیز دل کی قوت، طاقت اور بہادری ہے اور اس شخص کے دل میں بے پناہ اور بہت زیادہ قوت موجود ہے اور ہاں! یہ نعمت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے نفس کی گناہوں والی خواہشات کو کچلنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت سے بھرا ہوا تعلق حاصل ہو جاتا ہے۔ بادشاہ سلامت! اس نعمت کو تم اس حالتِ کفر میں ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا فی الحال تمہارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس جانباز مردِ مومن کے سامنے ہتھیار ڈال دو اور قلعہ کا دروازہ کھول دو، کیوں کہ آپ کی اکثریت بالکل بے کار ہے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ بعض حالات میں اقلیت کے سامنے اکثریت کی کمزوری اور ضعف کو چند مثالوں سے سمجھاتے ہیں:

مثال نمبر ۱ دیکھیے! آسمان پر بے شمار ستارے روشن ہوتے ہیں، لیکن ایک سورج طلوع ہو کر سب کو ماند کر دیتا ہے۔

مثال نمبر۲ اگر ہزاروں چوہے اپنے اپنے بلوں سے کسی لاغر و بے حد درجہ بیمار بلی پر ایک دم حملہ کر بیٹھیں تو عقل یہ کہتی ہے کہ ان کو فتح ہونی چاہیے۔ ایک دو چوہے اس کی گردن پکڑ لیں، ایک دو اس کی آنکھیں نکال لیں، ایک دو اس کے کان اپنے دانتوں سے چیر ڈالیں اور ایک دو اس کے پہلو میں سوراخ کر کے اندر گھس جائیں اور اندرونی جسم کے تمام اعضاء کو چبا ڈالیں، لیکن مشاہدہ اس کے خلاف ہے، چنانچہ جونہی وہ لاغر و نحیف بلی میاؤں کرتی ہے، یہ ہزاروں چوہے باوجود اتنی بڑی اکثریت کے خوف اور دہشت کی وجہ سے ایک دم فرار ہو جاتے ہیں۔ اس میاؤں کو سنتے ہی ان کے کانوں میں اپنی پرانی شکستوں کی خوفناک ضربیں گونج اٹھتی ہیں اور بلی کے دانتوں اور پنجوں کی ظالمانہ پکڑ کا تصور ان کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ان چوہوں کے سینوں میں جو دل ہیں اور بلی کے سینے میں جو دل ہے اس میں بہت فرق ہے۔ بلی کے دل میں جو شجاعت اور ہمت ہے، وہ چوہوں کے دلوں میں نہیں۔ پس چوہوں کی اتنی بڑی جماعت کا ایک بلی کے سامنے حواس باختہ ہو جانا اس بات کی کافی دلیل ہے کہ بلی کی جان میں روحانی طاقت ہے، ورنہ ظاہری قوت کے لحاظ سے بلی کا بچنا ناممکن ہے۔ معلوم ہوا کہ تعداد کا زیادہ ہونا اہم چیز نہیں بلکہ ہمت اور بہادری اصل چیز ہے۔

مثال نمبر۳ بھیڑ اور بکریاں لاکھوں کی تعداد میں ہوں لیکن قصاب (قصائی) کی ایک چھرے کے سامنے اتنی بڑی اکثریت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، ایک چھرے سے باری باری سب کو ذبح کر ڈالتا ہے۔

مثال نمبر۴ دل میں آنے والے خیالات اور ظاہری اعضا تعداد میں بہت زیادہ ہیں مگر اکیلی نیند یک دم طاری ہو کر سب خیالات کو ختم کر دیتی ہے اور

سارے اعضا بے بس ہو جاتے ہیں۔

مثال نمبر ۵ جنگل میں لاکھوں بڑے بڑے سینگوں والے جانوروں پر ایک شیر کتنی دلیری سے حملہ کرتا ہے اور سب پر تنہا غالب آجاتا ہے۔ جس جانور کو چاہتا ہے اپنی خوراک بنالیتا ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

- ...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اصل طاقت اللہ تعالیٰ کے تعلق کی روحانی طاقت ہے۔ تعلق مع اللہ سے سرشار ایک سپاہی اپنی باطنی طاقت اور شجاعت کی بنیاد پر ان ہزاروں افراد پر باآسانی غلبہ حاصل کرسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے تعلق کی اس عظیم روحانی قوت سے محروم ہوں۔ یہی وہ روحانی طاقت تھی کہ جس کی برکت سے گنتی کے ساٹھ مجاہدینِ اسلام نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں رومیوں کے ساٹھ ہزار فوجیوں کو عبرت ناک شکست دی اور ان کی کُشتوں کے پُشتے لگادیے۔
- ...... اس واقعہ سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ ہم اہلِ اسلام اپنی تعداد کے تھوڑے اور اسلحے کے کم ہونے کی فکر میں زیادہ وقت صرف نہ کریں، بلکہ اصل روحانی طاقت "تعلق مع اللہ" کے حصول کی فکر کریں۔

حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک رات کا قصہ ہے کہ حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے عادل بادشاہ تھے، اپنا شاہی لباس اتار کر عام لباس میں عوام کی نگرانی کے لیے تنہا گشت

کر رہے تھے کہ اچانک چوروں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ آپس میں کچھ مشورہ کر رہے ہیں۔

چوروں نے سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر دریافت کیا کہ ارے بھائی! تو کون ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ میں بھی تم ہی میں سے ایک ہوں۔

وہ چور لوگ سمجھے کہ یہ بھی کوئی چور ہی ہے، اس لیے انہیں بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ پھر سب چل کر آپس میں باتیں کرنے لگے اور یہ مشورہ ہوا کہ ہر ایک اپنا اپنا ہنر اور قابلیت بیان کرے تاکہ چوری کرنے میں وہی کام اس کے سپرد کر دیا جائے جس میں وہ ماہر ہے۔

ایک چور نے کہا، صاحبو! میں اپنے کانوں میں ایسی خاصیت رکھتا ہوں کہ کتا جو کچھ اپنی آواز میں کہتا ہے، میں سب سمجھ لیتا ہوں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

دوسرے چور نے اپنی قابلیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ میری آنکھوں میں ایسی خاصیت ہے کہ جس شخص کو اندھیری رات میں دیکھ لیتا ہوں، اس کو دن میں بلاشک وشبہ پہچان لیتا ہوں کہ یہ وہ شخص ہے جسے رات میں نے دیکھا تھا۔

تیسرے چور نے کہا کہ میرے بازوؤں میں ایسی خاصیت ہے کہ میں ہاتھ کے زور سے نقب لگا لیتا ہوں یعنی گھر میں داخل ہونے کے لیے مضبوط دیوار میں بھی ہاتھ سے سوراخ کر دیتا ہوں۔

چوتھے چور نے کہا کہ میری ناک میں ایسی خاصیت ہے کہ مٹی سونگھ کر معلوم کر لیتا ہوں کہ اس جگہ خزانہ مدفون ہے یا نہیں؟

گروہ کے پانچویں چور نے کہا کہ میرے پنجے میں ایسی قوت ہے کہ محل خواہ کتنا ہی بلند ہو، لیکن میں اپنے پنجے کے زور سے کمند کو اس محل کے کنگرے میں مضبوط لگا دیتا

ہوں، اور اس طرح مکان میں آسانی سے داخل ہو جاتا ہوں۔

پھر سب چوروں نے مل کر بادشاہ سلطان محمود غزنوی سے دریافت کیا کہ اے شخص! تیرے اندر کیا ہنر ہے جس سے چوری کرنے میں مدد مل سکے؟

بادشاہ نے جواب دیا: "میری داڑھی میں ایسی خاصیت ہے کہ پھانسی کے مجرموں کو جب پھانسی کے لیے جلّادوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، اس وقت اگر میری داڑھی ہل جاتی ہے تو سب اسی وقت پھانسی سے رہائی پا جاتے ہیں، یعنی جب میں رحم کھا کر داڑھی ہلا دیتا ہوں تو مجرمین کو قتل کی سزا سے فی الفور نجات حاصل ہو جاتی ہے۔"

یہ سنتے ہی چوروں نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا: "اے ہمارے آقا اور ہمارے سردار! چونکہ مصیبت والے دن خلاصی اور چھٹکارے کا ذریعہ آپ ہی ہیں یعنی کہ ہم پکڑے جائیں تو آپ کی برکت سے چھوٹ جائیں گے، اس لیے اب ہم سب کو بے فکری ہو گئی کیونکہ اوروں کے پاس تو صرف ایسے ہنر تھے جن سے چوری کی تکمیل ہوتی تھی، لیکن سزا کے خطرے سے بچانے کا ہنر کسی کے پاس نہ تھا، یہی ایک کسر باقی تھی جو آپ کی وجہ سے پوری ہو گئی اور سزا کا خطرہ بھی ختم ہو گیا، بس اب تو کام میں لگ جانا چاہیے"۔

اس مشورے کے بعد سب نے بے فکر ہو کر اسی بادشاہ محمود غزنوی کے محل کی طرف رخ کیا اور بادشاہ خود بھی چوروں کے بھیس میں ان کے ہمراہ ہو لیا۔

ایک موقع پر راستے میں کتا بھونکا تو کتے کی آواز سمجھنے والے چور نے کہا کہ کتے نے کہا ہے کہ تمہارے ساتھ بادشاہ بھی ہے، لیکن اس کی بات کی طرف چوروں نے دھیان ہی نہ دیا، کیونکہ لالچ اور حرص کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہنر پر پردہ ڈال دیتی

ہے اور لالچ کی وجہ سے انجام کا خوف بھی نکل جاتا ہے۔

دوسرے چور نے محل میں داخل ہو کر مٹی سونگھی اور بتادیا کہ شاہی خزانہ یہاں ہے۔

تیسرے چور نے کمند پھینکی اور شاہی محل میں داخل ہو گیا۔ نقب لگانے میں ماہر چوتھے چور نے نقب لگا دی اور خوب قیمتی سامان لوٹا اور سب نے مل کر خوشی خوشی آپس میں خزانہ تقسیم کر لیا اور جلدی جلدی ہر ایک نے حصے میں آنے والا چوری کا مال چھپا لیا۔

بادشاہ نے ہر ایک کا حلیہ پہچان لیا اور ہر ایک کی قیام گاہ کے راستوں کو یاد کر لیا اور اپنے کو اُن سے چھپا کر شاہی محل کی طرف واپس آ گیا۔

اگلے دن بادشاہ نے عدالت میں رات کا تمام ماجرا بیان کر کے سپاہیوں کو حکم دیا کہ سب چوروں کو گرفتار کیا جائے اور پھر سب کو قتل کر دیا جائے۔

چنانچہ شاہی پولیس نے چھاپہ مار کر سب چوروں کو گرفتار کر لیا اور جب وہ سب کے سب چور جن کی مشکیں کسی ہوئی تھیں، جب عدالت میں حاضر ہوئے تو تختِ شاہی کے سامنے ہر ایک خوف سے کانپنے لگا، لیکن وہ چور کہ جس کے اندر یہ خاصیت تھی کہ جس کو اندھیری رات میں دیکھ لیتا دن میں بھی اس کو بے شبہ پہچان لیتا صرف وہ مطمئن تھا۔ اس پر خوف کے ساتھ رجاء و امید کے آثار بھی نمایاں تھے، بادشاہ کے انتقام کا ڈر بھی تھا اور ساتھ ساتھ بادشاہ کی مہربانی اور شفقت سے امیدوار بھی تھا کہ رحم کھاتے ہوئے اگر بادشاہ نے داڑھی ہلا دی تو فی الفور خلاصی ہو جائے گی اور پھر حسبِ وعدہ میں اپنے تمام ساتھیوں کو بھی چھڑا لوں گا، کیونکہ اسے امید تھی کہ حسنِ اخلاق کی بناء پر بادشاہ اپنے جان پہچان والے سے اعراض نہ کرے گا، بلکہ

درخواست قبول کر کے سب کو چھوڑ دے گا۔

اس شخص کا چہرہ خوف اور امید سے کبھی زرد، کبھی سرخ ہو رہا تھا کہ بادشاہ محمود رحمۃ اللہ علیہ نے جلالتِ خسروانہ اور شاہی رعب و جلال کے ساتھ حکم نافذ فرمایا کہ ان سب چوروں کو جلادوں کے سپرد کر کے سولی پر لٹکا دو اور چونکہ اس مقدمے میں بادشاہ خود گواہ ہے اس لیے کسی اور کی گواہی کی ضرورت نہیں۔

یہ سنتے ہی اس چور نے دل کو سنبھال کر ادب سے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(اجازت حاصل کر کے) اس نے کہا: حضور! ہم میں سے ہر ایک نے تو اپنے مجرمانہ اور برے ہنر کی تکمیل کر دی، اب شاہانہ ہنر اور مہربانی اور معافی کا ظہور حسبِ وعدہ فرما دیا جائے، میں نے آپ کو پہچان لیا ہے، آپ نے رات وعدہ فرمایا تھا کہ میری داڑھی میں ایسی خاصیت ہے کہ اگر کرم اور مہربانی سے ہل جائے تو مجرم خلاصی پا جاتا ہے۔لہٰذا اے بادشاہ سلامت! اب آپ اپنی داڑھی ہلا دیجیے تا کہ آپ کے لطف اور مہربانی کے صدقے میں، ہم سب اپنے جرائم کی عقوبت وسزا سے نجات پا جائیں۔

ہمارے ہنروں نے تو ہمیں سولی تک پہنچا دیا، اب صرف آپ ہی کا ہنر ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے۔آپ کے ہنر کے ظہور کا یہی وقت ہے، جی ہاں! مہربانی فرما کر کرم سے جلد داڑھی ہلائیے، کیونکہ خوف سے ہمارے کلیجے منہ کو آ رہے ہیں، اپنی داڑھی کی خاصیت دکھا کر ہم سب کو جلد مسرور اور آزاد فرما دیجیے۔

بادشاہ سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ اس گفتگو سے مسکرائے اور ان کا دریائے کرم مجرمین کی فریاد و آہ وزاری سے جوش میں آ گیا۔

بادشاہ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص نے اپنی اپنی خاصیت دکھا دی حتیٰ کہ

تمہارے کمال اور ہنر نے تمہاری گردنوں کو عذاب میں مبتلا کر دیا، سوائے اس شخص کے، یہ شخص سلطان کا عارف تھا اور اس نے بادشاہ کو پہچان لیا اور اس کی نظر نے رات کی تاریکی میں ہمیں دیکھ لیا تھا اور ہمیں پہچان لیا تھا پس اس شخص کی اس نگاہ کے صدقے میں تم سب کو رہا کرتا ہوں۔

بادشاہ نے مہربانی کرتے ہوئے کہا: ''مجھے اس پہچاننے والی آنکھ سے شرم آتی ہے کہ میں اپنی داڑھی کا ہنر ظاہر نہ کروں''۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر ہم اس دنیا کے ظلمت کدہ اور تاریکی میں اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والی نظر حاصل کرلیں، تو کل قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں جب اُن گناہوں کی وجہ سے عذابِ جہنم کے مستحق ہوں گے جن کو دنیا میں بڑا کمال اور ہنر سمجھتے تھے، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو پہچاننے والی نظر اور معرفت کی برکت سے دوزخ کی آگ سے خلاصی ممکن ہو سکے گی۔

❖ ...... ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اگر ہم خود ایسی معرفت والی نظر سے محروم ہوں تو ایسے عارف باللہ اور اللہ والے کی صحبت و معیت اختیار کرلیں کہ جس کی نگاہِ معرفت کے صدقے میں ہم گناہ گاروں اور مجرموں پر اللہ تعالیٰ کرم فرماتے ہوئے دوزخ کی آگ سے نجات عطا فرما دیں، جیسا کہ ایک چور کی معرفت اور پہچان کی وجہ سے دوسرے چوروں کو نجات مل گئی۔

ایک نقاب پوش بزرگ کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک نقاب پوش بزرگ زمانہ جاہلیت میں عرب کے کسی علاقے کے بادشاہ تھے، یہ پہلے عشقِ مجازی (عورتوں اور بے ریش لڑکوں کے عشق) میں مبتلا تھے اور بہت اچھے شاعر تھے۔ حکومت اور ملک کے حریص تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کے عشقِ حقیقی نے ان کے دل پر اثر کیا تو حکومت و سلطنت تلخ اور کڑوی معلوم ہونے لگی۔

ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں بے چین ہو کر بادشاہ آدھی رات کو اٹھا، گدڑی اوڑھی اور اپنی سلطنت سے باہر نکل گیا۔

دل میں عشقِ الٰہی کی آگ پیدا ہو چکی تھی۔ سلطنت کا شوروغل محبوبِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد میں رکاوٹ بن رہا تھا۔ آخرکار پیمانہ صبر چھلک گیا، اللہ تعالیٰ کی محبت میں ایک چیخ ماری اور دیوانہ وار صحرا کی طرف چل نکلا۔

اس عاشقِ صادق کی سچی آہ نے اس کو سلطنت کی مضبوط قید و بند سے آزاد کر دیا اور ان کے لیے محبت الٰہی کی وجہ سے ملک چھوڑنا آسان ہو گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشقِ حقیقی نے اس بادشاہ کو تخت و تاج سے بے زار کر کے آدھی رات کو جنگل کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

سنگلاخ پہاڑوں، ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریاؤں، تپتے ہوئے صحراؤں سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں مست دیوانہ وار گزرتا ہوا بادشاہ اپنی حدودِ سلطنت سے نکل کر دوسرے ملک ''تبوک'' کی سرحد میں داخل ہو گیا اور چہرہ پر نقاب ڈال لیا تا کہ عام لوگ پہچان نہ سکیں کہ یہ گدڑی پوش کسی ملک کا رئیس یا بادشاہ ہے۔

ملکِ تبوک میں اس بادشاہ پر جب کئی فاقے گزرے اور برداشت سے باہر ہو گیا تو ضعف اور کمزوری سے مجبور ہو کر مزدوروں کے ساتھ اینٹیں بنانے لگا۔

عام حالات میں اگرچہ چہرے پر نقاب پڑا رہتا تھا لیکن جب کبھی ہوا کے جھونکوں سے نقاب ہٹ جاتا تو شاہی چہرے کا رعب اور جلال مزدوروں پر ظاہر ہو جاتا۔

آخرکار مزدوروں میں تذکرے ہونے لگے کہ یہ نقاب پوش کسی ملک کا سفیر یا کسی سلطنت کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ خبر ساری سلطنت میں مشہور ہو گئی اور تبوک کے بادشاہ تک بھی پہنچ گئی۔

اُدھر بادشاہ کو فکر ہوئی کہ مزدور کے بھیس میں کسی دوسری سلطنت کا بادشاہ یا سفیر کہیں جاسوسی نہ کر رہا ہو اور میری سلطنت کے راز معلوم کر کے حملہ آور ہونے کا منصوبہ نہ بنا رہا ہو، تحقیق کرنی چاہیے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟

شاہِ تبوک نے فوراً سامانِ سفر باندھا اور خفیہ طور پر حالات معلوم کرنے کے لیے مزدوروں کے جھرمٹ میں گھس گیا، جہاں وہ نقاب پوش بادشاہ اینٹیں بنا رہا تھا۔

بادشاہ نے اس کے علاوہ تمام مزدوروں کو دور ہٹا دیا اور اس کا نقاب اٹھا دیا۔ بادشاہ نے اس کے چہرہ کی رونق اور خوبصورتی کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ بادشاہ نے ان سے دریافت کیا کہ آپ اپنے صحیح حالات سے مجھے آگاہ کیجیے، آپ کا یہ روشن اور چمکتا ہوا چہرہ گواہی دیتا ہے کہ آپ کسی ملک کے بادشاہ ہیں، سچ سچ بتلائیے کہ آخر آپ نے یہ فقیری اور مسکینی کس وجہ سے اختیار کی ہے؟

تبوک کے بادشاہ نے مزید متاثر ہو کر کہا: ”آپ نے اپنی راحت اور بادشاہت کو قربان کر کے تکلیف اور مشقت کو کیوں اختیار کیا؟“

تبوک کے بادشاہ نے اس کے حوصلے کی داد دیتے ہوئے کہا: ”اے عالی حوصلہ!

آپ کی اس ہمت پر میری یہ سلطنتِ تبوک ہی نہیں بلکہ سینکڑوں سلطنتیں قربان ہوں، مجھے جلد اپنے راز سے آگاہ کیجیے۔"

بادشاہِ تبوک نے درخواست کی: اگر آپ میرے پاس مہمان رہیں تو میری خوش نصیبی ہوگی اور آپ کے قرب سے میری ایک جان خوشی سے سو جان کے برابر ہو جائے گی اور میرے لیے بڑی سعادت اور خوش نصیبی کی بات ہوگی۔

اس طرح بہت سی ترکیبوں سے تبوک کا بادشاہ فقیری کے لباس میں چھپے ہوئے بادشاہ سے دیر تک باتیں کرتا رہا تا کہ اس کا راز کھل کر سامنے آجائے، لیکن راز و نیاز کی گفتگو کے بجائے اس نقاب پوش بادشاہ نے تبوک کے بادشاہ کے کان میں محبوبِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے دردِ عشق کی نہ جانے کیا بات کہہ دی کہ اسی وقت یہ بادشاہِ تبوک بھی عشقِ الٰہی سے دیوانہ ہوگیا اور وہ بھی اپنی سلطنت کو ترک کر کے اس نقاب پوش بزرگ بادشاہ کے ساتھ رہنے کے لیے تیار ہوگیا۔

آدھی رات کو یہ دونوں بادشاہ اس ملک سے نکل کر کسی اور سلطنت میں چل دیے تا کہ مخلوق پریشان نہ کرے اور دل کی فراغت کے ساتھ محبوبِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغولی نصیب ہو۔ یہ دونوں بہت دور تک چلتے رہے، یہاں تک کہ کسی تیسری سلطنت میں داخل ہوگئے۔

الغرض بادشاہت کو چھوڑ کر آنے والے اس اللہ تعالیٰ کے سچے عاشق نقاب پوش بادشاہ کی بات میں نہ جانے کیسی لذت تھی کہ شاہِ تبوک سلطنت کی تمام لذتیں اور مزے چھوڑنے کے لیے تیار ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے مزے کے سامنے ساری سلطنت کے مزے پھیکے پڑ گئے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس قصہ سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ دنیا کی تمام لذتوں کے خالق اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کی لذت ایسی لذت ہے کہ ساری دنیا کی لذتیں اور مزے اس کے سامنے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے۔

❖ ...... اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص عشقِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کی دولت سے محروم ہو تو کسی ایسے کامل اللہ والے کے ساتھ سچی دوستی کرلے جس کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے لبریز ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی یہ دولت عطا فرمادیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پرندوں کی حاضری

ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے سارے پرندوں کو حکم دیا کہ میرے دربار میں حاضر ہوکر اپنا کمال بیان کریں، ہر پرندہ بتائے کہ اس میں کیا کمال ہے۔

چنانچہ سب پرندے حاضر ہوئے جن میں مور، کبوتر، ہدہد، کوّا وغیرہ شامل ہیں، سب اپنا اپنا کمال بیان کرنے لگے۔

جب ہدہد کی باری آئی تو اس نے کہا حضور! مجھے یہ کمال حاصل ہے کہ چاہے کتنا اونچا اڑتا رہوں اور زمین سے کتنی ہی دور ہوجاؤں، میری نظر اتنی تیز ہے کہ میلوں دور اوپر سے میں زمین کے ذرے ذرے کو دیکھ لیتا ہوں۔ نہ صرف یہ کہ سطح

زمین کی ہر چیز کو دیکھ لیتا ہوں، بلکہ زمین کے اندر جہاں پانی ہو وہ بھی دیکھ لیتا ہوں، اور پھر حضور اس پانی کا ذائقہ بھی معلوم کر لیتا ہوں میٹھا ہے یا کڑوا۔

حضور! آپ مجھے اپنے ساتھ رکھ لیجیے، آپ اپنے تخت پر تشریف فرما ہو کر ہوا پر سیر فرماتے ہوئے جہاں بھی جائیں مجھے ساتھ لے چلیں، میں زمین پر نگاہ رکھا کروں گا، جہاں بھی زمین کے اندر میٹھا پانی نظر آئے گا میں بتا دیا کروں گا، آپ اپنا تخت وہاں اتار کر دربار لگا لیجیے گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اس کا یہ کمال سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: "ہم نے تمہیں اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دی۔"

کوّا "ہدہد" کا یہ کمال اور اس کی عزت افزائی سن کر حسد کے مارے جل بھن گیا، اور کہنے لگا حضور! ایک میری عرض بھی سن لیجیے۔

ہدہد نے بالکل جھوٹ بولا ہے اس میں ہرگز یہ کمال نہیں ہے جو اس نے بیان کیا، اتنی دور آسمان پر اڑتے ہوئے اگر یہ زمین کی سطح کی چیزیں بلکہ زمین کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ سکتا ہوتا، تو شکاری کے جال میں کبھی نہ پھنستا، جال کے اندر جو دانہ پڑا ہوتا ہے اس کو کھانے کے لیے کود پڑتا ہے اور جال اسے نظر ہی نہیں آتا، اگر اتنا ہی باکمال ہوتا تو اسے دانے کے ساتھ جال بھی نظر آجایا کرتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے فرمایا: سنا کوّے کا اعتراض؟ تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

ہدہد نے کہا: حضور! یہ حاسد ہے اور حسد میں میرے کمال کا انکار کر رہا ہے۔ آپ میرا امتحان لے لیجیے، میں نے جو کچھ کہا ہے اگر صحیح نہ ہو تو ابھی میرا سر تن سے جدا کر دیجیے۔

حضور! نظر تو میری واقعی تیز ہے لیکن جب اس پر قضا کا پردہ پڑ جاتا ہے تو پھر مجھے جال نظر نہیں آتا۔ اس حاسد کو میرے کمال پر اعتراض کرنا تو سوجھا، لیکن اسے تقدیر و قضا کی حقیقت نہ سوجھی۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

- ...... تقدیر و قضا میں جو لکھا ہو وہ بہر حال ہو کے رہتا ہے۔ انسان لاکھ تدبیریں کرتا ہے اور ان میں وہ کامیابی بھی حاصل کرتا ہے، لیکن بعض اوقات ساری تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں اور کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔
- ...... عقل و تدبیر سے ضرور کام لینا چاہیے، لیکن خدا تعالیٰ کو کسی صورت بھولنا نہیں چاہیے۔
- ...... ہزار تدابیر کے باوجود بعض اوقات نتیجہ الٹا نکلتا ہے، اس میں انسان کے لیے ایک تنبیہ ہے کہ تم صرف اپنی عقل و تدبیر ہی پر بھروسہ نہ رکھنا۔ ایک طاقت ایسی بھی ہے جو تمہاری تمام تدابیر کے ہوتے ہوئے بھی تمہیں کامیاب نہیں ہونے دیتی اور وہ خدا ہے۔
- ...... دیکھیے! آج ہوائی جہازوں، ریلوں اور بسوں کے جو حادثات ہوتے ہیں، حالانکہ ہوائی جہازوں، بحری جہازوں اور ریلوے کے اس ترقی کے دَور میں اتنے اعلیٰ اور مکمل انتظامات ہیں تاکہ کوئی حادثہ نہ ہونے پائے، باوجود ان مکمل تدابیر کے پھر بھی جو حادثے واقع ہو جاتے ہیں، بحری جہاز ڈوب جاتے ہیں، ہوائی جہاز گر پڑتے ہیں، ریلوں کی ٹکریں ہو جاتی ہیں، یہ سب باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ ایک ہستی سب سے بلند و بالا اور سب سے بڑی طاقت والی بھی ہے جو ان تدابیر کے ہوتے

ہوئے بھی جو چاہے کر سکتی ہے۔

تمہاری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور خدا کی تقدیر غالب آ جاتی ہے، اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کسی سواری پر بھی بیٹھو تو مجھے مت بھولو اور یہ پڑھ لیا کرو۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ

مگر آج کل اس مادی دور میں اپنی عقل و تدابیر پر تو بے حد ناز ہے اور خدا پر نظر ہی نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان دنوں حادثوں کی کثرت ہے۔

❖...... ان دانشوروں کی عقلوں پر آج کچھ ایسے پردے پڑ گئے ہیں کہ مغربی تہذیب کے جال میں انہیں ترقی کا دانہ تو نظر آ گیا مگر وہ جال نظر نہ آیا جس میں یہ پھنس کر الحاد کی چھری سے ذبح کر دیے گئے۔

❖...... یہ بھی معلوم ہوا کہ کوّا ایک حاسد جانور ہے یہ کسی صاحبِ کمال کا کمال سن کے جل بھن جاتا ہے، اسی طرح جو لوگ انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اولیاءِ کرام کے کمالات سن کر جل بھن جاتے ہیں وہ بھی گویا کوّے کی مانند ہیں۔

مچھروں کی میٹنگ

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں چند مچھروں نے ایک باغ میں جمع ہو کر میٹنگ کی کہ اس ہوا نے ہمیں بڑا تنگ کر رکھا ہے۔

جہاں ہم اکٹھے ہوتے ہیں مل جل کر ناچنا گانا شروع کرتے ہیں، وہیں یہ ہوا جھونکا بن کر آ جاتی ہے اور ہمیں وہاں سے بھگا دیتی ہے، کسی جگہ بھی یہ ہمیں ٹکنے نہیں دیتی، اس کا کیا علاج کریں؟

سب نے یہ رائے پاس کی کہ ایک دن ایک وفد لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں چلتے ہیں کہ حضور! یہ ہوا ہمیں ٹکنے نہیں دیتی، کہیں بھی ہم پر کھول کر بیٹھیں اور گانا ناچنا شروع کریں تو جھٹ آ پہنچتی ہے اور ہمیں وہاں سے بھگا دیتی ہے۔

چنانچہ مچھروں کا ایک وفد حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوا اور ہوا کے خلاف یہی شکایت پیش کر دی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے مچھروں کی شکایت سنی تو فرمایا تمہاری شکایت میں نے سن لی، مگر میرا قاعدہ یہ ہے کہ دونوں فریق (جن کا آپس میں جھگڑا ہوا)، جب تک حاضر ہو کر روبرو گفتگو نہ کریں اور اپنی اپنی بات نہ سنا لیں، میں فیصلہ نہیں کیا کرتا، کیونکہ اس طرح سچ جھوٹ کا پتہ نہیں چلتا، تم یکطرفہ ڈگری لینے آ گئے، اگر فیصلہ چاہتے ہو تو بتاؤ میں دوسرے فریق یعنی ہوا کو بھی بلا لوں؟ مچھروں نے کہا بلوا لیجیے حضور!

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ وہ حاضر ہو، سرکاری حکم پا کر ہوا جو آئی تو سب نے دیکھا کہ وہاں ایک مچھر باقی نہ رہا، ہوا کے آتے ہی سب غائب ہو گئے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

خدا تعالیٰ فرماتے ہیں:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ

حق آیا اور باطل بھاگا

اسلام آیا اور کفر بھاگا، مولوی آیا الحاد بھاگا، مغربی تہذیب کے یہ ماڈرن مچھر جو کلبوں میں مل جل کر اپنے اپنے فیشن کے پر کھول کر گاتے اور ناچتے ہیں، مولوی ایسی محفلوں کا سخت مخالف ہے۔

ان ماڈرن مچھروں کو یہ شکایت ہے کہ یہ مولوی ہمیں اچھلنے کودنے اور گانے بجانے

نہیں دیتے، رقص وسرود کو تہس نہس کر کے رکھ دیا ہے۔ اس مولوی کا کیا علاج کریں؟

اب اس موقعہ پر آپ فرض کرلیں کہ ان ماڈرن مچھروں نے اسلام کے شاہی دربار میں یہ شکایت پیش کی، تو اسلام نے فرمایا دوسرے فریق کو حاضر کیا جائے، چنانچہ علماء کرام کو جو حاضری کا حکم ملا جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ پڑھتے ہوئے آئے تو وہاں کسی ماڈرن مچھر کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔

ہماری دعا ہے کہ ہمارے وطنِ عزیز میں اسلامی ہوا چلنی شروع ہوتا کہ ان ماڈرن مچھروں سے ہمیں نجات ملے۔ آمین!

وہ مچھر اگر باعث ملیریا مشہور ہیں تو یہ ماڈرن مچھر باعث فسق وفجور ہیں، وہ انسان کو کاٹتے ہیں یہ ایمان کو چاٹتے ہیں، ان کا نام مچھر ہے اوران کا نام مسٹر ہے ۔

ہوا اسلام کی چلنے لگے گی
نجات ان مچھروں سے تب ملے گی

موت سے فرار

ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ایک شخص آیا جو بے حد ڈرا ہوا تھا۔ اس کا رنگ ڈر کے مارے زرد ہو رہا تھا، کانپتی ہوئی آواز میں عرض کیا۔

حضور! آج میں نے ملک الموت کو دیکھا ہے جو مجھے بڑا گھور کر دیکھ رہا تھا، اس کے تیور بتا رہے تھے کہ یہ برق (موت) مجھ پر گرنے والی ہے۔

حضور! مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی وسیع حکومت عطا فرمائی ہے۔ دیو، پری، جن وانس اور پانی وہوا پر بھی آپ کی حکومت ہے۔ مجھ پر کرم

فرمائیے، اور ہوا کو حکم دیجیے کہ وہ مجھے اڑا کر یہاں سے ہند پہنچا دے، میں اگر ہندوستان پہنچ گیا تو پھر ملک الموت کا مجھ کو ڈر نہ رہے گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ فوراً اسے ہندوستان پہنچا دو۔ چنانچہ ہوا نے اُسی وقت اُسے ہندوستان پہنچا دیا۔

دوسرے روز دربارِ سلیمان علیہ السلام میں ملک الموت سلام کے لیے حاضر ہوا۔ سلیمان علیہ السلام نے پوچھا، کل جس آدمی کو تم نے گھور کر دیکھا تھا، وہ بے چارہ ڈر کے مارے یہاں سے ہندوستان چلا گیا، آخر بات کیا تھی؟ اور تم اسے کیوں گھور رہے تھے؟

ملک الموت نے عرض کیا، حضور! مجھے خدا کا یہ حکم تھا کہ اس شخص کی جان میں فلاں وقت ہندوستان کی سرزمین پر قبض کروں، میں اسے یہاں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کی موت کا وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے اور یہ بجائے ہندوستان کے یہاں ہے، اپنے وقت پر یہ ہندوستان کیسے پہنچ سکے گا، اور میں وہاں اس کی جان کیسے قبض کر سکوں گا؟

میں اسی خیال میں تھا کہ اس نے خود ہی آپ سے درخواست کی کہ ہوا اسے ہندوستان پہنچا آئے، چنانچہ وہ ٹھیک اپنی موت کے وقت ہندوستان پہنچ گیا اور میں نے وہاں پہنچتے ہی اس کی جان قبض کر لی۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... موت سے فرار ناممکن ہے۔ کہیں بھی چلے جایئے اور لاکھ تدبیریں کیجیے، موت سے نجات ناممکن ہے۔ انسان کی تدبیر خدا کی تقدیر کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

آج سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے اور بقول اہلِ سائنس انسان چاند پر بھی جا پہنچا ہے۔

زمین کی کشش اور چاند کی کشش کے بارے میں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اُس سے نکل سکتے ہیں اور نکل رہے ہیں، لیکن موت کی کشش سے بھی کیا یہ نکل سکتے ہیں؟

ہرگز نہیں! روس کے تین خلاباز جو اوپر جا کر مر گئے تھے، ملک الموت کو ان کے لیے یہی حکم تھا کہ ان تینوں کی جان خلا میں قبض کی جائے، چنانچہ وہ خود ہی روسی حکومت کے بل بوتے پر اوپر گئے اور ان کی موت کے وقت ملک الموت نے وہاں پہنچ کر اپنا کام کر دکھایا، اور یہ خدا ہی جانتا ہے کہ آئندہ کس کس کے لیے خلا میں جان قبض کرنے کا حکم ملک الموت کو مل چکا ہے، الغرض! لاکھ ترقی کیجیے لیکن موت سے فرار ناممکن ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ۔

چاند پر چڑھ جایئے مرنا ہے پھر بھی ایک دن
چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے

حضرت سلطان شاہ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے ولی اللہ بننے کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بلخ کے بادشاہ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ رات کو محل کے بالا خانے پر سو رہے تھے کہ اچانک پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی، گھبرائے کہ رات کے وقت شاہی بالا خانہ کی چھت پر کون لوگ ایسی جرأت کر سکتے ہیں!!

بادشاہ نے دریافت کیا کہ کون ہیں؟ انسانی شکل میں یہ فرشتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غفلت زدہ دل پر چوٹ لگانے آئے تھے۔

فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم یہاں اپنا اونٹ تلاش کر رہے ہیں۔

بادشاہ نے کہا کہ حیرت ہے کہ شاہی بالا خانے پر اونٹ تلاش کیا جا رہا ہے!

ان حضرات نے جواب دیا کہ ہمیں اس سے زیادہ حیرت آپ پر ہے کہ اس ناز پروری اور عیش کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ولایت کو تلاش کیا جا رہا ہے۔

چنانچہ یہ کہہ کر وہ فرشتے تو غائب ہو گئے لیکن بادشاہ کے دل پر ایسی چوٹ لگ گئی کہ ملک و سلطنت سے دل سرد ہو گیا اور دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی چنگاری بھڑک اٹھی۔

چنانچہ عشقِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو ترکِ سلطنت پر مجبور کر دیا۔

آخر کار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بے چین ہو کر آدھی رات کو بادشاہ اٹھا، کمبل اوڑھا اور یادِ الٰہی کے لیے اپنی سلطنت سے نکل پڑا۔

سلطنتِ بلخ چھوڑ کر حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور کے صحرا میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو گئے۔ دس برس تک صحرائے نیشاپور میں دیوانہ وار عبادت میں مصروف رہے اور دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور عشق کی دولت بڑھاتے رہے۔

کیونکہ تمام خواہشاتِ نفسانیہ اور ظاہری آرائشوں سے اللہ تعالیٰ نے دل پاک کر دیا تھا، کہاں تاج و تختِ شاہی اور کہاں اب دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے گدڑی سی رہے ہیں!!!

ایک دن سلطنتِ بلخ کا ایک وزیر اس طرف سے گزرا۔ بادشاہ کو اس فقیرانہ حال میں دیکھ کر اس وزیر نے جو طرح طرح کے روحانی امراض میں مبتلا تھا انہیں حقارت کی نظر سے دیکھا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ کیا حماقت ہے کہ بادشاہت

چھوڑ کر فقیر بن کر بیٹھ گیا ہے!!!

حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو بذریعۂ کشف علم ہوا کہ یہ شخص میری اللہ تعالیٰ کی محبت میں اختیار کی جانے والی فقیری پر حیران ہے۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندے کی کرامت اور باطنی سلطنت کی شوکت کا اظہار فرمایا تا کہ وزیر کو اپنے بُرے گمان پر ندامت ہو اور معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کے بعد کیا نعمت حاصل ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً اپنی سوئی دریا میں پھینک دی اور باآوازِ بلند دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری سوئی عطا فرما دیجیے! دریا کی سطح پر فوراً ہزاروں مچھلیاں نمودار ہو گئیں، جن کے لبوں پر ایک ایک سونے کی سوئی تھی۔

ان مچھلیوں نے دریا سے اپنے سروں کو نکال کر عرض کیا کہ اے شیخ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ یہ سوئیاں قبول فرمائیے۔

جب اس وزیر نے یہ کرامت دیکھی تو اپنے بُرے خیالات، جہالت اور نادانی پر سخت نادم ہوا اور شرمندگی و ندامت سے ایک آہ کھینچی اور کہنے لگا:

”افسوس کہ مچھلیاں اس شیخِ کامل اللہ والے کے مقام سے آگاہ ہیں اور میں انسان ہو کر ناواقف ہوں۔ میں بدبخت اور اس دولت سے محروم ہوں جبکہ مچھلیاں اس معرفت سے سعادت مند و نیک بخت ہیں۔“

یہ سوچتے ہی اس وزیر پر گریہ طاری ہو گیا، دیر تک افسوس اور ندامت سے روتا رہا اور اس گریۂ ندامت اور شیخِ کامل حضرت ابراہیم ابن ادھم کی تھوڑی سی دیر کی صحبت کی برکت سے اس وزیر کی کایا پلٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں بھی پیدا ہو گئی۔

حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے اس وزیر سے ارشاد فرمایا کہ اے امیر! اب بتاؤ! اللہ کے راستے میں یہ دل کی سلطنت بہتر ہے یا وہ بلخ کی حقیر فانی سلطنت؟

شاہِ بلخ کی صحبت سے جب اس وزیر کو باطنی سلطنت حاصل ہوگئی تو اسی لمحہ وزارت سے استعفیٰ دے دیا اور بادشاہ کے ساتھ صحرا نشینی اختیار کرلی۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب تک بندہ اپنی نفسانی خواہشات اور گناہوں کی لذتوں کو نہیں چھوڑتا، اُس وقت تک وہ بندہ باطنی سلطنت (اللہ تعالیٰ کی محبت) کی دولت سے محروم رہتا ہے۔

❖...... اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کا ولی بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات میں اس کے لیے محبت و پیار پیدا فرما کر اس کی دنیاوی فانی عزت کے بدلہ میں باقی رہنے والی، حقیقی عزت عطا فرما دیتے ہیں۔

❖...... جب دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے تو اس کی لذت کے سامنے ساری دنیا کی فانی لذتیں ماند پڑ جاتی ہیں جیسے بادشاہ نے اپنی بادشاہت کو لات ماردی۔

❖...... اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرلیں، وہ تمام گناہ جس سے نفس حرام لذت حاصل کرتا ہے ان سے چھٹکارا مل جائے گا۔

❖...... جب گناہوں میں ڈوبا ہوا شخص اللہ والوں کی نیک صحبت میں آتا ہے تو اس کی بھی کایا پلٹ جاتی ہے جیسے وزیر بادشاہ کی صحبت میں اللہ والا بن گیا۔

ایک بوڑھے گلوکار (پیرِ چنگی) کا واقعہ

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک گویا اور گلوکار تھا جو بڑا خوش آواز اور اپنے فن کا استاد تھا۔ چنگ و رباب بجا کر گاتا تو سننے والے مسحور ہو جاتے، لوگ اس کے پیچھے دوڑتے، اس کی آواز مُردوں میں جان پیدا کر دیتی تھی۔

جب تک اس کا شباب باقی رہا اس کے گیت اور چنگ و رباب بھی مشہور و مقبول رہے لیکن جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس کے گلے میں سوز باقی نہ رہا۔ منہ سے دانت نکلے تو خوش آوازی بھی باقی نہ رہی۔

الغرض بڑھاپے میں اس کے کمال کو زوال آ گیا۔ اب کوئی بھی اس کا شائق نہ رہا، نہ کوئی اس کے پاس آتا نہ گانا سنتا اور نہ اُسے کوئی کچھ دیتا۔ کچھ دنوں کے بعد بوڑھا گویا مفلس و قلاش ہو گیا۔ کھانے پینے کے لیے بھی اس کے پاس کچھ نہ رہا اور وہ بھوک سے مرنے لگا۔

ایک روز وہ اللہ کے حضور سچے دل سے حاضر ہو کر عرض کرنے لگا الٰہی! میں عمر بھر تجھ سے دور رہا۔ ساری عمر گناہوں میں گزار دی۔ بال سفید ہو گئے چہرہ سیاہ ہو گیا۔ ستر برس کی عمر ہو گئی۔

اس قدر گناہوں کے بعد آج میں سچے دل سے تیرے سامنے حاضر ہو کر اقرار کرتا ہوں کہ میں نے بڑے بڑے گناہ کیے لیکن تو ہمیشہ میرے گناہوں کی پردہ پوشی فرماتا رہا۔ میں تیری نافرمانی کرتا رہا اور تو مجھے برابر رزق دیتا رہا، میں اپنی جان بھی تجھ پر قربان کر دوں تو تیرے احسانات کا بدلہ نہیں چکایا جا سکتا۔

یہ کہہ کر اپنی چنگ اٹھا کر مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع میں چلا گیا، وہاں جا کر

خوب رویا اور روتے روتے وہیں قبرستان میں سو گیا۔

اِدھر یہ قبرستان میں سویا اُدھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے کام میں مصروف تھے کہ آپ پر نیند کا غلبہ ہونے لگا۔

آپ نے ہر چند کوشش کی کہ نیند نہ آئے اور میں اپنا کام پورا کر سکوں مگر نیند ٹلنے کا نام ہی نہ لیتی تھی آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کام کرتے کرتے سو ہی گئے۔

خواب میں آپ سے کسی نے کہا کہ اٹھو اور قبرستان بقیع میں جلدی پہنچو، وہاں ایک اللہ کا مقبول سو رہا ہے، سات سو دینار اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اُسے دے کر آؤ اور اُس کی دلجوئی بھی کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خواب سے جاگے تو فوراً سات سو دینار لے کر قبرستان پہنچے اور تلاش کرنے لگے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیارا بندہ کہاں اور کون ہے؟

ڈھونڈنے پر آپ کو وہی بوڑھا گلوکار نظر آیا جو گٹار کا تکیہ بنا کر سو رہا تھا۔

حضرت عمر نے اُسے دیکھ کر سوچا کہ یہ گویا اور مقبولِ خدا! لیکن اِس کے سوا یہاں اور کوئی دوسرا ہے بھی تو نہیں۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے یہ سوچ کر آپ وہیں اس کے پاس باادب ہو کر بیٹھ گئے اور اسے جگانا بھی خلاف ادب جانا۔

اتفاقاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھینک آ گئی جس کی آواز سے وہ بوڑھا جاگ اٹھا، جاگ کر اس نے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بیٹھے دیکھا تو کانپ اٹھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جلال وغضب مجھ جیسے خطا کار کو نہیں چھوڑے گا۔

یہ صورت دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے مجھ سے ڈرو نہیں، میں تمہارے لیے ایک خوشخبری لے کر آیا ہوں، اور اللہ کا تمہاری طرف پیغام لے کر آیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں سلام کہا ہے اور یہ سات سو دینار تمہارے لیے بھیج کر پیغام

بھیجا ہے کہ یہ دینار لو خرچ کرو، جب یہ ختم ہو جائیں گے تو ہم عمر کے ہاتھ اور بھیج دیں گے، تو ہم پر توکل رکھ۔

بوڑھے گلوکار نے جب یہ پیغامِ رحمت سنا تو اسی وقت سجدے میں گر کر رونے لگا اور کہنے لگا۔ الٰہی! کہاں میرے جیسا خطا کار اور نابکار اور کہاں تیری یہ رحمتِ بے کنار!! مجھ سے عمر بھر تیری تابعداری نہ ہو سکی مگر قربان تیری بندہ پروری کہ تو نے میری اس قدر دلجوئی فرمائی۔

میں نے کبھی بھول کر بھی تیرا نام نہ لیا مگر تو نے اپنی رحمت ہی سے کام لیا۔ میرے ایسے افعال اور تیرا یہ کمال، الٰہی میں کس منہ سے تیرا شکریہ ادا کروں! میرے گناہوں کے باوجود تیرا یہ انعام۔

اے میرے غفور و رحیم اللہ! اب مجھے اس دنیا میں رہنے کی ہوس نہیں، مجھے معاف فرما دے اور اپنے پاس بلا لے۔ میں ایسے غفور و رحیم اور مہربان آقا سے اب جدا رہنا نہیں چاہتا۔

اس نے یہ دعا کی، خدا نے سن لی اور وہ وہیں اپنے اللہ سے جا ملا۔ بظاہر مر گیا لیکن ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گیا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اللہ تعالیٰ بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔ ساری عمر اُس کی نافرمانی میں گزار دی جائے لیکن ایک بار بھی اگر سچے دل سے اس سے معافی مانگ لی جائے تو وہ ساری عمر کے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور بجائے عتاب کے انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔ قرآن پاک میں خدا فرماتا ہے:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا
فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ
وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا
(پ ۱۹: ع ۱۴)

جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

دیکھا آپ نے اللہ کی رحمت و مغفرت کو کہ گناہ کرو اور توبہ کر کے گناہ کو بھی نیکی بنالو!!

جن لوگوں کو کیمیا گری کی لت پڑ جاتی ہے اس بے کار شغل میں وہ اپنی عمریں گنوا دیتے ہیں لیکن ان سے پیتل کا سونا نہیں بن سکتا۔

یہ اللہ کی رحمت کی کیمیا گری دیکھیے کہ گناہوں کے انبار پر سچے دل سے توبہ کر کے ایک آنسو گرا دو تو وہ سارا گناہوں کا انبار نیکیوں کا سونا بن جاتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کو حاضر کیا جائے گا، فرشتے بحکم الٰہی اس کے صغیرہ گناہ ایک ایک کر کے اس کو یاد دلاتے جائیں گے وہ اقرار کرتا جائے گا، اور بڑے گناہوں کے پیش ہونے سے ڈرتا ہوگا۔ اس کے بعد اُسے کہا جائے گا کہ ہر ایک بدی کے عوض تجھ کو نیکی دی گئی۔

یہ بیان فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی بندہ نوازی اور اس کی شانِ کرم پر خوشی ہوئی اور چہرہ اقدس پر سرور و تبسم کے آثار ظاہر ہوئے۔

خدا تعالیٰ کے غضب و جلال کی آگ کو ساتوں سمندروں کے پانی نہ بجھا سکے مگر گنہگار کی ندامت کا ایک آنسو بھی اس آگ کو بجھا دیتا ہے۔

خدا تعالیٰ کے سامنے جس نے بھی عجز و تواضع اختیار کر کے اپنے گناہوں کا اعتراف

کر کے سچے دل سے توبہ کر لی، بوڑھے گلوکار کی طرح سمجھ لیجیے اس کا بیڑا پار ہو گیا۔

چوں خدا خواہد بما یاری کند
میلِ مارا جانبِ زاری کند
چوں نہ گرید طفل کے جوشد لبن
چوں نہ گرید ابر کے خندد چمن
اے خنک چشمے کہ او گریانِ اوست
اے ہمایوں دل کہ اولزرانِ اوست
ہر کجا آبِ رواں سبزہ بود
ہر کجا اشکِ رواں رحمت شود

ترجمہ اشعار:

❖ ...... جب خدا ہماری مدد کرنا چاہتا ہے تو ہمیں رونے پر مائل کر دیتا ہے۔

❖ ...... جب تک بچہ نہیں روتا (ماں کی چھاتی کا) دودھ کب جوش مارتا ہے؟
جب تک بادل نہیں روتا چمن کب مسکراتا ہے؟

❖ ...... بہت اچھی ہے وہ آنکھ جو اللہ کے لیے رونے والی ہو۔ مبارک ہے وہ دل جو مجروحِ یار ہو۔

❖ ...... جہاں پانی بہتا رہے، سبزہ اگتا ہے۔ جہاں آنسو بہتے رہیں، رحمت ہوتی ہے۔

یہ تو پرانی بات ہے اور آج کل کے دور میں تو آلاتِ میوزک اور رقص و سرود کا زور ہے۔ ہر کوئی پیر چنگی نظر آتا ہے، فرق یہ ہے کہ وہ توبہ کر کے چنگا (اچھا) ہو گیا تھا لیکن آج کل کے کسی چنگی کو اگر آپ توبہ کے لیے کہیں تو وہ توبہ کر لے؟ توبہ کیجیے۔ پہلے دور کا تو پیر چنگی صرف چنگی تھا اور آج کل کا چنگی ربابی بھی ہے شرابی بھی اور کبابی بھی ہے۔ اس کے پاس تو صرف چنگ تھی اور اس کے پاس رباب و چنگ بھی، چرس و

بھنگ بھی، فسادو جنگ بھی، یہ دین سے تنگ بھی اور دل کا سنگ بھی۔

توبہ کا معنی ہے اللہ کی طرف رجوع کرنا اور آج کل اس رجوع کا نام رجعت پسندی ہے، پھر ان ترقی پسند اور آگے بڑھنے والوں کو توبہ سے کیا کام؟ رجعت پسند تو مولوی ہے جو خود بھی توبہ پر مائل ہے اور دوسروں کو بھی توبہ کی تلقین کرتا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں توبہ پر مائل کرے اور رجعت پسندی کا جذبہ عطا فرما کر پیر چنگی کے زمانہ کی طرف لوٹنے کی توفیق دے، اور ہم سب پیر چنگی کی طرح اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کر کے خدا کو راضی کر لیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایک چرواہا

ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں آپ نے ایک چرواہے کو دیکھا جو محبتِ الٰہی میں مگن اللہ تعالیٰ سے یوں خطاب کر رہا تھا کہ اے میرے محبوب خدا! میرے پاس آ کر بیٹھ مجھ سے باتیں کر، میں تیرے پاؤں دھو دھو کر پیوں گا اور قدم چوموں گا، تجھے نہلاؤں گا، اچھے اچھے کپڑے پہناؤں گا، نرم و گداز بستر تیرے لیے بچھاؤں گا، دودھ پلاؤں گا، اچھے اچھے کھانے کھلاؤں گا، اور تو سو جائے گا تو تیرے پاؤں دباؤں گا، عشق و محبت کی مستی میں وہ اسی قسم کی باتیں کر رہا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی یہ باتیں سن کر پوچھا کہ تم کس سے یہ باتیں کر رہے ہو، وہ محبوب کون سا ہے جس کی اس قدر زیادہ خدمت کرنے کا تم اظہار کر رہے ہو؟

چرواہا بولا کہ میرا محبوب میرا خدا ہے، میں اپنے خدا سے خطاب کر رہا ہوں۔ یہ ساری خدمتیں میں اسی کی کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سن کر فرمانے لگے۔ ارے نادان! توبہ کر یہ تمہاری باتیں خدا تعالیٰ کے متعلق تو سراسر کفر ہیں۔ بے خبر! خدا تعالیٰ تو ان سب باتوں سے پاک اور منزّہ ہے۔ یہ تم کیا بک رہے ہو!! توبہ کرو اور ایسی باتوں سے خدا کی پناہ مانگو!

چرواہے نے یہ ڈانٹ ڈپٹ سنی تو ڈر گیا اور سوچنے لگا کہ ہائے میں نے یہ کیا کیا! میں نے تو یہ سب باتیں محبت سے کی تھیں، مجھے کیا خبر تھی کہ ایسی باتیں خدا کی شان میں ہرگز لائق نہیں۔ یہ سوچ کر کچھ ایسا ڈرا کہ وہاں سے اٹھ کر وحشت کے عالم میں دوڑا؟ اور جنگل میں چلا گیا اور اسی ڈر سے رونے لگا۔

اِدھر تو یہ جنگل کی طرف بھاگا اور اُدھر جبرائیل امین علیہ السلام وحی لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا اے موسیٰ! خدا تعالیٰ فرماتا ہے یہ آپ نے کیا کیا؟

میرا وہ طالبِ صادق چرواہا میری محبت میں یہ سب باتیں کر رہا تھا، میں اُس کی باتیں سن رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ اسے مجھ سے محبت ہے لیکن ان باتوں سے میرا منزہ ہونا اس کے علم میں نہ تھا، یہ باتیں اُس کی زبان پر تھیں لیکن نیت اس کی بخیر تھی، دل اس کا میری محبت سے معمور تھا۔

اَے موسیٰ! تم نے اس کے لفظوں کو دیکھا لیکن اس کی نیت کا کچھ خیال نہ کیا۔ میں لفظوں کو نہیں، دل کو دیکھتا ہوں۔

اَے موسیٰ! میں نے تجھے اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ تم میرے بندوں کو میرے ساتھ ملاؤ لیکن تم تو میرے بندوں کو مجھ سے بھگانے لگے ہو، جاؤ اُسے جنگل سے واپس لا کر ہماری خوشنودی کا پیغام سناؤ۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کسی کو نصیحت کرتے وقت یہ بھی سمجھنا

چاہیے کہ ممکن ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہو، کیونکہ بعض بندے مخلص اور عاشق ہوتے ہیں اور نافرمانیوں سے بالکل محفوظ ہوتے ہیں، لیکن ظاہری طور پر ان کے الفاظ آدابِ الوہیت کے خلاف ہوتے ہیں، مگر یہ ان کا جوشِ عشق ہوتا ہے، بے ادبی کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا۔

❖ ...... اس قصہ سے ہمیں یہ بھی سبق حاصل ہوتا ہے کہ کسی کو اتنی سخت نصیحت نہیں کرنا چاہیے جس کی وجہ سے وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوجائے، بلکہ نصیحت کرنے میں اعتدال اور میانہ روی کا خیال رکھنا چاہیے۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی دانائی کا عجیب واقعہ

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کسی رئیس کے یہاں نوکری کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور تعلق کی برکت سے ان کے اندر بہت پاکیزہ اور اونچے اخلاق وعادات موجود تھے جن کی تفصیل حق تعالیٰ شانہ نے سورۂ لقمان میں بیان فرمائی ہے۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کے ان اونچے اخلاق کا ان کے آقا پر گہرا اثر ہوا، یہاں تک کہ رئیس نے ان کو اپنا مقرب ومحبوب بنالیا اور دلی طور پر ان سے بہت زیادہ محبت کرنے لگا۔

پھر اس رئیس کا معمول ہوگیا کہ ہر نعمت کھانے سے پہلے حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کرتا اور جب لقمان رحمۃ اللہ علیہ سیر ہوکر کھالیتے تو بچا ہوا یہ رئیس کھاتا۔ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ اس رئیس کی محبت وعادت کی رعایت سے کھالینے کے بعد بقیہ اس کے لیے بھیج دیا کرتے۔

ایک دن آقا کی خدمت میں کہیں سے خربوزے آئے، اس وقت حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ موجود نہ تھے، رئیس نے ایک غلام کو بھیجا کہ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کو بلالاؤ۔

جب لقمان رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو رئیس نے اپنے ہاتھ سے اس خربوزے کی قاشیں بنائیں اور ایک ایک قاش محبت سے کھلاتا جاتا تھا اور دل ہی دل میں مسرور ہو رہا تھا کہ میری اس محبت کا ان پر کیا اثر ہو رہا ہوگا۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ خوشی خوشی ہر قاش کھا لیتے اور شکر بجالاتے، یہاں تک کہ جب بہت ساری قاشیں کھا چکے اور ایک قاش باقی رہ گئی، تو اس رئیس نے کہا کہ اس کو میں کھاؤں گا تاکہ دیکھوں کہ یہ خربوزہ کتنا میٹھا تھا۔

یہ کہہ کر اس نے خوشی خوشی قاش کو منہ میں رکھا ہی تھا کہ وہ اتنی کڑوی تھی کہ اس کی کڑواہٹ سے زبان کی نوک سے حلق تک آبلے پڑ گئے اور ایک گھنٹے تک مدہوش رہا۔

جب افاقہ ہوا تو حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ اے میرے پیارے! آپ نے کس طرح اس خربوزے کو حلق سے اتار لیا؟ اور اس عذاب کو کس طرح لطف سمجھا؟ جب ایک قاش کھانے پر مجھے یہ تکلیف ہوئی، اتنی قاشوں کو آپ نے کس طرح برداشت کیا؟

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے شکر گزاری کے جذبات کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ میرے آقا! آپ کے مبارک ہاتھ سے سینکڑوں نعمتیں کھائی ہیں، جن کے شکر کے بوجھ سے میری کمر جھک رہی ہے، لہٰذا مجھے اس بات پر شرم آئی کہ جس ہاتھ سے اس قدر نعمتیں ملی ہوں، اس ہاتھ سے آج اگر ایک کڑوی چیز عطا ہو رہی ہے تو اس کا شکوہ اور شکایت کیوں کروں؟

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے مزید عاجزی کے ساتھ کہا اے میرے آقا! ہمیشہ

مٹھاس عطا فرمانے والے میرے سردار!! آپ کے ہاتھ کی لذت نے اس خربوزے کی کڑواہٹ کو مٹھاس سے تبدیل کر دیا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کسی وقت کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آزمائش یا تکلیف پہنچ جائے تو اس پر صبر کرنا چاہیے، اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ پر راضی رہنا چاہیے۔

مشکل اور مصیبت کے وقت یہ سوچنا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصیبت اور پریشانی پہنچی بھی ہے تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

یہ سوچ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر وقت بے شمار نعمتیں بھی تو مل رہی ہیں۔ اس سے بڑی بڑی تکلیف اور مصیبت نہ صرف ہلکی ہو جائے گی بلکہ ظاہری تکلیف سے کراہنے اور آہ آہ کرنے کے باوجود دل میں سکون اور اللہ تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے لذت محسوس ہوگی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشہ کے رہنے والے امیہ بن خلف نام کے ایک یہودی کے غلام تھے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جب ان کو ایمان نصیب ہوا تو اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا۔ دشمنانِ اسلام مسلمانوں کو چین سے دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اللہ کے نور کو بجھانے کے لیے دن رات ہر ممکن کوشش میں مشغول تھے، لیکن حق تعالیٰ نے ارشاد

فرمایا کہ ہم تو اپنا نور مکمل کر کے رہیں گے، چاہے کفار کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اگر چاہتے تو اپنا ایمان چھپا سکتے تھے، اور اس چھپانے کی بدولت کفار کی تکلیفوں سے محفوظ رہ سکتے تھے، لیکن حق تعالیٰ کی محبت نے کلمۂ توحید ظاہر کرنے پر انہیں مجبور کردیا اور عشقِ حقیقی نے ان کو نعرۂ اَحد (اللہ ایک ہے) لگانے پر بے چین کردیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نعرۂ اَحد لگانا تھا کہ اس یہودی کا غیظ و غضب ان پر ظلم اور مار پٹائی کی صورت میں برس پڑا اور آپ کو اتنا مارا کہ لہولہان کردیا اور اسی زخم کی حالت میں گرم گرم ریت پر گھسیٹتا اور کہتا کہ اب آئندہ وحدانیت کا نعرہ لگانے کی جرأت نہ کرنا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بزبان حال عرض کرتے:

''اے اللہ! آپ کی محبت کے جرم میں یہ کفار مجھ کو قتل کر رہے ہیں اور شور برپا کر رہے ہیں، اے محبوبِ حقیقی! آپ بھی آسمانِ دنیا پر تشریف لایئے اور اپنے عاشق کے اس تماشہ کو دیکھیے کہ کیا اچھا تماشہ ہے''۔

ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزرے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی خستہ و خراب اور لہولہان ہونے کی حالت میں ''اَحد! اَحد!'' کا نعرہ لگا رہے تھے۔

یہ آواز سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے۔ اس آواز میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پاک روح کو محبوبِ حقیقی کی خوشبو محسوس ہوئی، جس سے آپ محوِ لذت ہوگئے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اس مظلومیت کو دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دل تڑپ گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو الگ

بلا کر سمجھایا کہ تنہائی میں اللہ کا نام لیا کرو، اس موذی (تکلیف پہنچانے والے) کے سامنے ظاہر مت کرو، ورنہ یہ ملعون ناحق تم کو ستائے گا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے محترم! آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدیق ہیں، آپ کی نصیحت قبول کرتا ہوں۔

دوسرے دن پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا، دیکھتے ہیں کہ پھر وہی ماجرا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ "اَحد اَحد" پکار رہے ہیں، اور وہ یہودی ان کو بری طرح مار پیٹ رہا ہے، یہاں تک کہ جسم خون سے لہولہان ہو گیا ہے۔

اس دردناک منظر کو دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ تڑپ گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پھر نصیحت فرمائی کہ بھائی! کیوں اس موذی کے سامنے اَحد اَحد کہتے ہو، دل ہی دل میں خاموشی کے ساتھ اَحد اَحد کہتے رہا کرو۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اچھا پھر توبہ کرتا ہوں، اب آپ کے مشورے کے خلاف نہ کروں گا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعدد بار نصیحت فرمانے کے باوجود جب ہر بار یہی تماشا دیکھا کہ وہ یہودی ظلم کر رہا ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اَحد اَحد کا نعرہ لگا رہے ہیں، تو اس کا ماجرہ رحمۃ للعالمین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مصائب سن کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں درد سے اشکبار ہو گئیں۔ ارشاد فرمایا کہ "اے صدیق! پھر کیا تدبیر ہونی چاہیے کہ بلال کو اس بلا سے نجات ملے۔"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول! میں انہیں خرید لیتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اچھا تو بلال رضی اللہ عنہ کی خریداری میں میری بھی

شرکت ہوگی۔"

اللہ اکبر! کیا نصیب تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو خرید رہے ہیں۔ اس کالے جسم میں اللہ کی محبت سے ایسا نورانی دل تھا کہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی خریدار ہوگئی۔

الغرض! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس یہودی کے پاس گئے، اس وقت بھی وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مار پیٹ رہا تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس ولی اللہ کو کیوں مارتا ہے؟

یہودی نے کہا کہ اگر تمہیں ایسی ہی ہمدردی ہے تو پیسہ لاؤ اور اس کو لے جاؤ۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سفید جسم اور کالے دل والا میرا یہودی غلام تو لے لے، اس کے بدلہ میں کالے جسم اور روشن دل والا یہ حبشی غلام مجھے دیدے۔ چنانچہ اسی بات پر سودا طے پا گیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لے کر بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے کیسا سودا کیا ہے، سفید جسم اور کالا دل دے آیا ہوں اور کالا جسم اور نورانی دل لے آیا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہت اچھا سودا کیا تم نے اے صدیق! اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے سینہ مبارک سے لگالیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آغوشِ رحمت میں لے لیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روح نے جو لطف اس وقت محسوس کیا ہوگا، اس کو دوسرا کون سمجھ سکتا ہے!!

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے ایمان کی حفاظت کریں، خواہ اس کے لیے بڑی سی بڑی تکلیف برداشت کرنی پڑے۔

❖ ...... نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جب دل میں اللہ تعالیٰ کے اس عشق و محبت کی دولت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اس کے راستے میں آنے والی ہر تکلیف برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

❖ ...... حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیں اپنے دل کی صفائی اور سفیدی کی کوشش کرنا چاہیے، اس لیے کہ سفید دل (گناہوں سے پاک دل) اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے خواہ بدن کتنا ہی بدصورت اور کالا کیوں نہ ہو، لیکن اگر جسم گورا اور سفید ہے مگر دل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے کالا ہے تو اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

❖ ...... اسلام کا سچا عاشق کبھی مصلحت اندیش نہیں ہوتا، وہ سچی بات کا برملا اعلان کرتا ہے۔

آج کل بعض لوگ علمائے کرام کو یہی مشورہ دیتے ہیں کہ زمانے کا تقاضا ہے۔
سود کے بغیر کاروبار نہیں چلتے، وضعِ نصاریٰ اختیار کیے بغیر کوئی ہماری بات نہیں سنتا،
اس لیے اسلام دل میں رہے، اسلامی احکام کے وعظ و اعلان کی کیا ضرورت ہے؟

علمائے کرام کا بھی جواب وہی ہے جو حضرت بلال کا تھا اور وہ کلمہ حق کہنے سے بھی رک نہیں سکتے، وہ حلال کو حلال ہی اور حرام کو حرام ہی کہیں گے اور برملا کہیں گے جو اسلام نے فرمایا ہے۔

❖ ...... اللہ والوں پر ظلم وستم کرنا کوئی نئی بات نہیں۔ شروع ہی سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ آج علمائے کرام کو لعن وطعن کی گرم ریت پر لٹایا جاتا ہے اور مغربی تہذیب کی خاردار زبان سے انہیں مجروح کیا جاتا ہے، لیکن علمائے کرام کلمۂ حق کہنا نہیں چھوڑتے۔

علمائے کرام کو اپنے جور وستم کا نشانہ بنانا یہ سنتِ اُمیہ ہے جو علمائے کرام کے دشمنوں کے حصہ میں آئی ہے اور دشمنوں کے جور وستم کا نشانہ بننا اور اپنے مسلکِ حق میں ڈٹے رہنا یہ سنتِ بلال ہے، اور علمائے کرام کی اس تحقیر پر جو سچے مسلمان کڑھتے ہیں یہ سنتِ صدیق ہے جو ان سچے مسلمانوں کے حصہ میں آئی ہے۔

❖ ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مسلمان بھائی پر کوئی مصیبت آپڑے تو سچے مسلمان اپنے بھائیوں کو اس مصیبت سے نجات دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

❖ ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ علمائے کرام اپنے دینِ اسلام کو مغربی تہذیب کی قید میں دیکھ کر بڑے پریشان وفکر مند ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی صورت ہمارا اسلام اس قید سے آزاد ہوجائے۔ چنانچہ یورپ سے وہ یہی کہتے ہیں کہ اپنا میک اَپ زدہ حسن تم لے لو اور ہمارا پرانا اسلام ہمیں دے دو۔

ایاز کی عقلمندی کا قصہ

حضرت سلطان محمود غزنوی کو حضرت ایاز سے بڑا پیار تھا۔ دیگر اراکینِ سلطنت کو اس بات کا بڑا رنج تھا اور سوچتے تھے کہ ایاز میں کونسی ایسی خوبی ہے جس کے باعث بادشاہ اسے اتنا چاہتا ہے کہ ایک روز ان میں ایک مصاحب نے بادشاہ

سے پوچھ ہی لیا کہ جناب ایاز سے آپ کو اتنا پیار کیوں ہے؟ اس میں کونسی ایسی خوبی ہے جس کے باعث آپ اس پر مہربان رہتے ہیں، بادشاہ نے کہا: لو! میں بتاتا ہوں کہ ایاز میں کیا خوبی ہے۔

بادشاہ نے ایک بیش قیمت موتی منگوایا اور ایک ہتھوڑا بھی، پھر ایک بڑے وزیر سے پوچھا بتاؤ اس موتی کی کیا قیمت ہوگی۔ وزیر نے بتایا اس کی قیمت لاکھ روپے سے بھی زیادہ ہے۔

بادشاہ نے کہا اچھا یہ لو ہتھوڑا اور اس موتی کو اس ہتھوڑی سے توڑ ڈالو۔

وزیر نے کہا توبہ! توبہ! اتنا بڑا قیمتی موتی میں کیوں توڑوں؟

بادشاہ نے پھر کہا کہ میرا حکم مانو اور اسے توڑ دو۔

وزیر نے کہا جناب! میں اتنا قیمتی موتی ہرگز نہ توڑوں گا۔

بادشاہ نے اس کی تعریف کی اور اسے بیش قیمت خلعت بخش دی پھر ایک ایک وزیر کو بادشاہ بلاتا گیا اور ہر ایک سے یہی کہتا رہا کہ اس ہتھوڑے سے یہ موتی توڑ دو۔

ہر وزیر نے انکار ہی کیا اور کہا جناب، ہم اتنا بیش قیمت موتی نہیں توڑ سکتے۔

اس کے بعد بادشاہ نے پھر ایاز کو بلایا اور موتی دکھا کر پوچھا، بتاؤ اس کی قیمت کیا ہوگی؟

اس نے بتایا کئی لاکھ روپے اس کی قیمت ہے۔ بادشاہ نے ہتھوڑا دیا اور کہا لو ہتھوڑے سے اس موتی کو توڑ دو۔ ایاز نے فوراً ہتھوڑا لیا اور اسی وقت ایک ہی ضرب سے موتی کو توڑ ڈالا اور چُور چُور کر دیا۔

یہ صورت دیکھ کر سارے حیران رہ گئے، دربار میں کھلبلی مچ گئی کہ اس نے یہ کیا کیا؟ ایاز کو سب کوسنے لگے کہ تم نے یہ کیا بُری حرکت کی کہ اتنا بیش قیمت موتی توڑ دیا۔

ایاز نے جواب دیا، نادانو! بری حرکت تم نے کی ہے۔ میری نظروں میں اس موتی کی قیمت سے بادشاہ کا حکم کئی گنا زیادہ قیمتی ہے۔ میں نے موتی توڑا ہے تم نے بادشاہ کا حکم توڑا ہے۔ ایسے ہزار موتی بھی ہوں تو بادشاہ کے حکم پر انہیں نثار کر دوں۔

بادشاہ نے کہا، دیکھا! یہ ہے ایاز میں خوبی جو تم میں سے کسی میں بھی نہیں۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی محبت ہمارے دل میں پیدا ہو جائے، تو موتی کی طرح ساری دنیا کو توڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی حکم کو بچانا آسان ہو جائے گا۔

یہی وہ محبت ہے جس کی برکت سے دنیا کی پر کشش مراعات اور رونقوں کو شریعت کے احکام کے مقابلے میں خیر باد کر دینا آسان ہو جاتا ہے۔

❖...... خدا کے باوفا اور نیک بندے وہ ہیں جو خدا کے حکم کو دنیا کی ہر چیز پر ترجیح دیں۔

اس کا حکم جان، مال اور اولاد کے قربان کرنے کا بھی ہو تو فوراً تعمیلِ حکم کریں اور کسی دنیوی نقصان کو ہرگز پیش نظر نہ رکھیں۔

دین کا یہی تقاضا ہے اور الحاد کا مسلک یہ ہے کہ خدا کا یہ کیا حکم ہے کہ اس کی راہ میں جان بھی قربان کرو، مال بھی اولاد بھی۔ عیدِ قربان پر بیش قیمت جانوروں کو ذبح کر کے نقصان بھی اٹھاؤ۔

دین کا جواب یہی ہے کہ اے الحاد بدنہاد میں دنیا کو توڑتا ہوں اور تم حکمِ خدا کو توڑتے ہو۔

خدا تعالیٰ کی قدرت اور ایک سائنس دان کا انجام

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک قاری بلند آواز سے قرآن حکیم کی اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ

(سورۃ الملک)

"(اے رسول!) ان سے کہو کہ بھلا دیکھو تو یہ تمہارا پانی خشک ہو جائے تو پھر کون ہے؟ جو تمہارے لیے پانی کے چشمے جاری کر دے۔"

ایک سائنس دان نے جب اس آیت کو سنا تو بڑی حقارت کے ساتھ مسکرانے لگا اور بولا کہ وہ دن گزر گئے جب انسان پانی کے لیے ترس جایا کرتے تھے۔ یہ دور سائنس اور فلسفہ کا ہے اگر پانی خشک ہو جائے تو کیا غم ہے؟ ہم ٹیوب ویل لگا کر زمین میں چھپے ہوئے سوتوں سے بھی پانی نکال سکتے ہیں۔

رات کو سویا تو سائنس دان نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا۔ بزرگ نے سائنس دان کو اس زور کا تھپڑ مارا کہ اس کی آنکھوں سے نور کے قطرے بہہ گئے اور وہ اندھا ہو گیا۔

خواب میں ایک مہیب آواز آئی۔ اگر تو سچا ہے تو آنکھ کے چشمے میں بھی پانی لا کر دکھا۔

سائنس دان صبح بیدار ہوا تو خواب کا ماجرا حقیقت بن گیا۔ بصیرت سے تو پہلے ہی محروم تھا۔ اب بصارت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

بدبخت کی آنکھ پر فلسفہ نے پردہ ڈال رکھا تھا اُسے توبہ کرنے کی بھی توفیق نہ

ہو سکی، ورنہ اب بھی بارگاہِ خداوندی میں گڑگڑا کر دعا کرتا تو کیا بعید تھا کہ خدا کے دریائے رحمت میں جوش آجاتا اور اس کی آنکھوں کا نور واپس آجاتا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں میں شبہ کرنا یا بے ادبی کرنا بسا اوقات دنیاوی عذاب کا باعث بھی ہوجاتا ہے۔ لہٰذا بہت ڈرنے کا مقام ہے۔

❖ ...... نیز یہ بھی معلوم ہوا توبہ کرلینے کے سہارے پر کبھی گناہ کا ارتکاب نہ کرنا چاہیے کہ توبہ کی توفیق اپنے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اس جرأت اور گستاخی کے وبال سے توبہ کی توفیق سلب ہوجائے اور ہمیشہ کے لیے مردود ہوجائے۔

توبہ کی مثال مرہم کی سی ہے اب اگر کوئی کہے کہ یہ مرہم جلے ہوئے زخم کو نہایت مفید ہے، تو کیا اس مرہم کے سہارے پر کوئی اپنے ہاتھ کو آگ میں ڈالتا ہے؟ یہ مرہم تو اتفاقی حوادث کے لیے ہوتا ہے نہ کہ اپنے ہاتھوں کو خود ہی جلا جلا کر اس مرہم کے فوائد کو آزمایا جاتا ہے۔

اسی طرح گناہوں کی تاریکی اور آگ جو دل کو نقصان پہنچاتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی دوری اور ناراضگی کا وبال آجاتا ہے، توبہ ان نقصانات کی تلافی کرتی ہے۔

توبہ گناہوں کی آگ کے زخم کا مرہم ہے لیکن اس کا مطلب یہ لینا کہ قصداً آگ سے اپنے کو جلایا جائے اور اس مرہم کو آزمایا جائے انتہائی بیوقوفی ہوگی اور بڑا شیطانی دھوکہ ہے۔

❖ ...... ایسا فلسفہ اور سائنس جو انسان کو خدا سے ٹکرانے لگے انسان کے لیے سراسر ہلاکت اور تباہی کا باعث ہے۔ مانا کہ آج کل انسان نے فلسفہ و

سائنس میں بڑی ترقی کرلی ہے لیکن یہ ترقی بھی خدا ہی کی عطا کردہ ہے۔

اسلام کا سبق یہ ہے کہ خداداد عقل سے اس کے انعامات کی تلاش کرو، زمین کے خزانے نکالو، خلا میں راکٹ اچھالو، لیکن اسے بہر حال خدا ہی کا کرم سمجھو اور اس کی بے پناہ قدرتوں کا اعتراف کرو۔

قارون کو خدا نے اتنا خزانہ دیا جس کی کنجیاں ایک زورآور جماعت پر بھاری تھیں لیکن جب اس سے کہا گیا کہ اس کثرتِ مال پر اترا نہیں اور اس مال سے آخرت کا گھر طلب کر اور جیسا اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی احسان کر اور زمین پر فساد نہ کر تو کہنے لگا:

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ

(پ۲۰، ع۱۱)

بولا یہ تو مجھے اپنے علم کی وجہ سے ملا ہے جو کچھ میرے پاس ہے۔

یعنی سارا مال تو میں نے اپنے علم سے حاصل کیا ہے خدا کا اس میں کیسا دخل؟ (معاذ اللہ) اس کے تکبر کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ

(پ۲۰، ع۱۱)

تو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔

قارون خدا کو بھولا تو اس کی ترقی اُسے لے ڈوبی۔ فرعون کو خدا نے اتنی بڑی سلطنت دی مگر وہ بھی خدا کی عطا کو بھول گیا اور کمبخت خود ہی خدا بن بیٹھا اور لوگوں سے کہنے لگا، لوگو میرے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں (معاذ اللہ)، پھر ہامان سے کہنے لگا! گارا بنا کر اینٹیں پکاؤ اور اینٹوں سے ایک بہت اونچا گھر بناؤ۔

لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ

(پ۲۰ رکوع۷)

شاید میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں اور میرے گمان میں تو موسیٰ جھوٹا ہے۔ (معاذ اللہ)

فرعون نے خلا میں جھانکنے کے لیے گویا راکٹ تیار کیا اور اوپر جا کر کہا کوئی خدا نہیں ہے اس کے اس تکبر کا نتیجہ یہ نکلا:

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ

(پ ۲۰، ع ۴)

تو ہم نے اُسے اور اُس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔

قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق آج بھی جو راکٹ پر سوار ہو کر خلاباز چاند تک پہنچنے کے مدعی ہیں ان کی واپسی فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ کے مطابق پانی ہی میں ہوتی ہے اور واپسی سے پہلے ہی اعلان ہونے لگتا ہے کہ خلابازوں کا راکٹ بحر اوقیانوس میں گرے گا، اس لیے انہیں بچانے کے لیے وہاں بحری جہاز بھیج دیے جاتے ہیں۔

دیکھیے یہ فرعونیت کیا رنگ لاتی ہے، خدا تعالیٰ چاہے تو کسی کو زمین میں دھکیل دے، چاہے تو کسی کو سمندر میں غرق کر دے، چاہے تو خلا ہی میں مار ڈالے، جیسے کہ روس کے خلاباز مارے گئے تھے۔

سائنس سے کام لو مگر اللہ کی بے پناہ طاقت و قدرت کو نہ بھولو ورنہ جو حشر اُس فلسفی کا ہوا تھا کہ عمر بھر کے لیے اندھا ہو گیا اور اس کی سائنس کے سارے آلات بے کار پڑے رہے، اسی طرح آج بھی خدا اگر چاہتا ہے تو اس کے سارے انتظامات ہونے کے باوجود ہوائی جہازوں کو گرا کر سائنس دانوں کو تباہ و ہلاک کر دیتا ہے حتیٰ کہ ان کی لاشوں کا بھی نشان مٹا دیتا ہے۔ بحری جہازوں کو پانی میں غرق کر کے سائنس کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے۔

خوب یاد رکھیے! سائنس کسی چیز کی موجد نہیں متجسس ہے۔ ایجاد خدا کرتا ہے

اور اس ایجاد کی تلاش اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اسباب اور اس کی دی ہوئی عقل کے ذریعے سائنس کرتی ہے لیکن آج کل لوگوں نے سائنس کو موجد سمجھ لیا ہے۔

پانی کا خالق خدا ہے اور سائنس کے آلات اُس پانی کی تلاش کر کے اُسے پا لیتے ہیں۔

اگر کوئی فلسفی اپنے آلات کے باعث یہ کہے کہ میرے پاس آلات ہیں میں ان آلات سے پانی حاصل کرلوں گا تو گویا اُس نے موجد ہونے کا دعویٰ کیا ہے، حالانکہ موجد خدا ہے وہ چاہے تو زمین میں پانی پیدا کرے، چاہے تو نہ کرے۔

اس نے اپنے محبوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنی قدرتوں کا ظہور کر کے دکھا دیا ہے کہ اے اپنی سائنس پر ناز کرنے والو! موجد میں ہوں میں اگر چاہوں تو اپنے محبوب کی انگلیوں سے دریا بہا دوں اور اگر چاہوں تو تمہارے آلاتِ سائنس کے باوجود تمہیں ایک قطرہ پانی کا بھی نہ پانے دوں، چاہوں تو تمہاری آنکھوں میں قطرہ نور پیدا کر کے تمہاری چشم کو چشمہ نور بنا دوں، چاہوں تو اس چشمہ کو خشک کر کے تمہیں اندھا کر دوں۔

بہر حال فلسفہ و سائنس پر نظر نہ رکھو، خالق سائنس پر نظر رکھو اور ان عارضی کامیابیوں پر اتراؤ نہیں۔

خدا اگر ڈھیل دیتا ہے تو اس کا یہ معنی نہیں کہ تم اب آزاد ہو، نہیں بلکہ تم ہر وقت اس کے قبضہ میں ہو جب چاہے تمہیں اندھا کر دے اور مار ڈالے۔

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمہ پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

سائنسدان خوش ہیں کہ ہم چاند پر جا پہنچے مگر انہیں یہ خبر نہیں کہ موت کا کانٹا ہر

وقت ان کے ساتھ ہے۔

مچھلی کانٹا نگل کر لاکھ دوڑے مگر شکاری اس کی دوڑ پر یہی کہے گا کہ دوڑلو کانٹا تو تم نگل چکی ہو اور ڈور میرے ہاتھ میں ہے، جس وقت بھی میں نے جھٹکا دیا آؤ گی تم میرے پاس ہی۔

تو اے فلسفیو اور سائنسدانو! موت کا کانٹا تم سب نگل چکے ہو چاند سے بھی پرے بھاگ کر دیکھ لو کہ زندگی کی ڈور تو خدا کے ہاتھ میں ہی ہے، جس وقت بھی موت کا جھٹکا آیا، جانا تم نے خدا ہی کے پاس ہے۔ الغرض! عظیم شاعر اکبر الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے:

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو
یہ بھی جائز ہے کہ ہواؤں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس اک سخن اس بندۂ عاجز کی رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

حضرت ذوالنّون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت ذوالنّون مصری رحمۃ اللہ علیہ پر ایک روز جذب کی حالت طاری ہوئی۔ آپ خانقاہ سے نکل کر ہُو حق کے نعرے لگاتے ہوئے بازار میں نکل آئے۔

بعض لوگوں نے ان کے اس ہُو حق کے نعروں کو شور سمجھا اور انہیں گرفتار کرانے کے لیے حاکم کے پاس جا کر شکایت کی کہ یہ ہمارے سکون میں خلل انداز ہے اسے قید خانے میں بند کر دیجیے۔

حاکم نے حکم دے دیا کہ ذوالنّون کو گرفتار کر کے قید خانے میں بند کر دیا جائے۔

چنانچہ سپاہیوں نے آپ کو گرفتار کرلیا جب وہ انہیں جیل خانے کی طرف لے جانے لگے تو آپ کے مرید اور دوست بہت پریشان ہوئے اور آپس میں کہنے لگے حضرت ذوالنّون رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رنگ اختیار کرنا بھی کوئی راز کی بات ہے۔ ضرور اس میں کوئی بھید ہے۔ چلو سب مل کر ان کے پاس چلیں اور ان سے پوچھیں کہ حضرت! اس انداز میں کیا راز ہے؟

چنانچہ سب حضرت کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔ حضور! ہم سب آپ کے مرید اور دوست ہیں آپ کی گرفتاری پر ہم بڑے پریشان ہیں یہ انداز اختیار کرنے میں جو راز ہے وہ ہمیں بھی بتائیے۔

آپ نے جذب کی حالت ہی میں اُن سے پوچھا: کیا واقعی تم میرے مرید اور دوست ہو؟

انہوں نے کہا: ”ہاں! واقعی ہم آپ کے سچے مرید اور دوست ہیں۔“

آپ نے ایک لاٹھی ایک کے سر پر دے ماری اس کا سر پھٹ گیا اور وہ وہاں سے بھاگا، پھر ایک پتھر اٹھا کر دوسرے کی پیٹھ پر دے مارا وہ بھی بھاگا، تیسرے کو ایک لات ماردی وہ بھی بھاگ اٹھا۔

آپ کی یہ حالت دیکھ کر سارے مرید اور دوست ہونے کے مدعی بھاگ اٹھے۔

آپ زور سے ہنسنے لگے اور فرمایا دیکھ لو یہ میرے سچے مرید اور دوست جو مجھ پر فدا ہونے کو آئے تھے، میری چند ضربوں ہی سے بھاگ اٹھے اور میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اگر یہ اپنے دعوے میں سچے ہوتے تو کچھ بھی ہو جاتا۔ میرا ساتھ نہ چھوڑتے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ اللہ کے راستے میں بندے کو کچھ نہ کچھ تکالیف ضرور آتی ہیں، ان کو خوشی سے برداشت کرنا چاہیے۔

❖ ...... اللہ کے سچے بندے وہ ہیں جو ہر حال میں اللہ کا ساتھ نہ چھوڑیں۔ سکھ اور دکھ میں بھی پہلے مسلمان ایسے ہی تھے۔

بزرگانِ دین پر جب بھی خدا کی طرف سے کوئی مصیبت نازل ہوئی یا کسی ابتلا میں مبتلا ہوئے تو وہ ثابت قدم رہے۔ خدا کا ہرگز انہوں نے کوئی شکوہ نہیں کیا اور وہ اس مصرعہ کے مطابق نظر آئے کہ۔

سرِ دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

انبیائے کرام علیہم السلام پر بڑے بڑے صبر آزما وقت آتے رہے اور ان نفوس قدسیہ نے انہیں خندہ پیشانی سے گزار کر اپنی امتوں کو درسِ استقامت دیا۔

صحابۂ کرام و اہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا واقعۂ شہادت پڑھتے سنتے ہوئے بھی دل کانپ اٹھتے ہیں مگر ان مردانِ حق کے پائے استقلال میں ذرا بھر بھی لغزش نہ آئی۔

اور ایک آج کل کے مسلمان بھی ہیں جن کے دعوے تو بہت بلند ہیں مگر حال یہ ہے کہ سر درد شروع ہوا تو نماز چھوڑ دی، بخار آیا تو روزہ چھوڑ دیا اور خدا کا شکوہ الگ۔

عورت کے عشق میں گرفتار شخص کے علاج کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کی تلاش میں اصلاحِ نفس کے لیے ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شیخ کے تجویز کردہ ذکر اور تلاوت کو اہتمام سے کرنے لگا، لیکن جو خادمہ شیخ کے گھر سے ان کے لیے کھانا لایا کرتی تھی، اس پر بار بار نگاہ ڈالنے سے ان کے دل میں اس خادمہ کا عشق پیدا ہو گیا۔

چنانچہ جب وہ کھانا لے کر آتی، یہ کھانے کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے اسی کو عاشقانہ نظروں سے گھورتے رہتے۔

وہ خادمہ بھی اللہ والی تھی، اس کو شبہ ہوا کہ یہ شخص مجھے بری نگاہ سے دیکھتا ہے۔

بدنگاہی کی ظلمت کا اس خادمہ کے نورانی قلب نے احساس کر لیا اور اس نے شیخ سے عرض کیا کہ حضور! آپ کا فلاں مرید میرے عشق میں مبتلا ہو گیا ہے، اس کو ذکر اور شغل سے اب کیا نفع ہوگا؟ پہلے آپ اس کو عشقِ مجازی سے چھڑایئے اور اس کا روحانی علاج کیجیے۔

اللہ والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے احباب اور مریدین کو حتی الامکان رسوا نہیں فرماتے، اور یہ حضرات کسی بری حالت سے مایوس بھی نہیں ہوتے، کیونکہ ان کی نظر حق تعالیٰ کی عطا اور فضل پر ہوتی ہے۔

چنانچہ شیخ نے باوجود علم کے نہ اس مرید کو ڈانٹا اور نہ اپنے اس علم کا اظہار کیا، البتہ دل کو فکر لاحق ہو گئی کہ اس کو عشقِ مجازی سے کس طرح نجات حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تدبیر ان کے دل میں ڈالی گئی، جس پر آپ نے عمل فرمایا اور اس خادمہ کو اسہال کی دوا دے دی، اور ارشاد فرمایا کہ تجھ کو جتنے دست

آئیں سب کو ایک برتن میں جمع کرتی رہنا، یہاں تک کہ اس کو بیس دست ہوئے جس سے وہ انتہائی کمزور اور لاغر ہو گئی، چہرہ پیلا ہو گیا اور آنکھیں دھنس گئیں، رخسار اندر کو بیٹھ گئے، ہیضہ کے مریض کا چہرہ جس طرح خوفناک ہو جاتا ہے، خادمہ کا چہرہ بھی ویسا ہی پُرخوف و مکروہ ہو گیا، اور چہرے سے تمام حسن غائب ہو گیا۔

بزرگ نے خادمہ سے ارشاد فرمایا کہ آج اس کا کھانا لے کر جا اور خود بھی آڑ میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔

مرید نے جیسے ہی خادمہ کو دیکھا تو کھانا لینے کی بجائے اس کی طرف سے چہرہ پھیر لیا اور کہا کہ کھانا رکھ دو۔

بزرگ فوراً آڑ سے نکل آئے اور فرمایا کہ اے بے وقوف! آج تو نے اس خادمہ سے رخ کیوں پھیر لیا، آخر بتاؤ تو سہی اس کنیز میں کیا چیز کم ہو گئی، جو تیرا عشق آج رخصت ہو گیا۔

پھر بزرگ نے خادمہ کو حکم دیا کہ وہ پاخانے کا طشت اٹھا لاؤ، جب اس نے سامنے رکھ دیا تو بزرگ نے مرید کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے بے وقوف! اس خادمہ کے جسم سے سوائے اتنی مقدار پائخانہ کے اور کوئی چیز خارج نہیں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ تیرا معشوق درحقیقت یہی پائخانہ تھا، جس کے نکلتے ہی تیرا عشق غائب ہو گیا۔

بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تجھ کو اس لونڈی سے محبت تھی تو اب وہ محبت نفرت سے کیوں تبدیل ہو گئی۔

عشقِ مجازی کا پلید اور ناپاک ہونا بزرگ کی اس تدبیر سے اچھی طرح اس شخص پر واضح ہو گیا اور اپنی حرکت پر بہت شرمندہ ہوا، اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں صدقِ دل سے توبہ کی اور عشقِ حقیقی کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اس حکایت سے یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اے لوگو! عشقِ مجازی میں جس گھنگھریالی زلف مشکبار پر آج تم فریفتہ ہو، یہی زلف ایک دن تم کو بوڑھے گدھے کی دم کی طرح بری معلوم ہوگی۔

❖...... دیکھو! طلوع کے وقت آفتاب کو کہ کیسا خوش نما ہوتا ہے، لیکن اس کی موت کو یاد کرو کہ جب وہ ڈوب رہا ہوتا ہے۔

❖...... چودھویں کے چاند کو آسمان پر کیسا خوش نما دیکھتے ہو، لیکن اس کی حسرت کو دیکھو جب وہ گھٹنے لگتا ہے۔

❖...... اے شخص! تو عمدہ غذاؤں کی تازگی اور حسن پر فریفتہ ہے، لیکن بیت الخلا میں اس کے فضلہ کو جا کر دیکھ! کہ کیا نتیجہ ہے۔

❖...... جب دنیا اور اہلِ دنیا کی بے وفائی معلوم ہوگئی تو پاک بندوں یعنی اللہ والوں کی محبت دل میں قائم کرو اور دل کسی سے مت لگاؤ، لیکن صرف اللہ تعالیٰ کے مقبول اور خاص بندوں سے۔

❖...... اس قصہ سے معلوم ہوا کہ وہ طالب حق، عشقِ مجازی کے فتنہ سے موت تک نجات نہ پاتا، لیکن ایک مقبول بندے کی صحبت کے فیض سے اسے اس پلیدی اور ناکامی سے نجات مل گئی۔

اسی مضمون کو حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا راستہ نری عقل سے طے نہیں کیا جا سکتا، کسی اللہ والے کی صحبت میں اصلاح کی غرض اور نیت سے حاضری ضروری ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول بندوں کی اطاعت سے جی چراؤ گے تو ہمیشہ ناقص رہو گے کمال نصیب نہ ہوگا۔

چنانچہ شیخ بو علی سینا، شیخ الفلاسفہ ہونے کے باوجود موت کے وقت عقل کو بے ساز و سامان سمجھتا تھا اور محض بے نتیجہ و بے فائدہ کہتا تھا اور اقرار کرتا تھا کہ ہم نے عقل و ذکاوت کا گھوڑا فضول دوڑایا اور ذہانت و ذکاوت کے دھوکے میں آ کر اہل اللہ کی اطاعت نہ کی اور خیالی سمندر میں تیرتے رہے۔

❖ ...... مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں عقل و ذکاوت سے کام لینا بالکل بے کار ہے۔

دیکھو! حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان نے عقل کا گھوڑا دوڑایا کہ مجھ کو اس طوفان سے اونچے اونچے پہاڑ بچالیں گے اور خدائی کشتی کو حقیر سمجھا۔ نتیجہ کیا ہوا کہ وہ معمولی کشتی فضلِ الٰہی کے سبب طوفان سے محفوظ رہی اور اونچے اونچے پہاڑوں پر طوفان پہنچ گیا اور کنعان ہلاک ہو گیا۔

❖ ...... مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں کہ تم چونکہ صحیح نظر نہیں رکھتے، اس لیے اہل اللہ کی محبت اور ان کی اطاعت کی کشتی تم کو حقیر معلوم ہوتی ہے، اور اہل یورپ کی تقلید میں عقل کے پہاڑ کو بہت بڑا سمجھتے ہو۔

لیکن خبردار! اس بظاہر حقیر کشتی کو واقع میں حقیر مت سمجھنا، یعنی اہل اللہ اکثر پھٹے پرانے لباس میں ہوتے ہیں اور سادہ زندگی گزارتے ہیں، تو ان کی سادگی کی وجہ سے ان کو حقیر مت سمجھنا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل کو دیکھنا، جو ان کے شاملِ حال ہے۔

اس اللہ والے کی کشتی کی عظمت پر نگاہ رکھو، کوہِ عقل کی بلندی پر نظر نہ کرو، کیونکہ عذابِ خداوندی کی ایک موج اس کوہ کو زیر و زبر کر سکتی ہے، لیکن وہ کشتی جو

رحمت کے سایہ میں چل رہی ہے اس کی ظاہری طاقت وجسامت کو مت دیکھو کہ یہ کشتی نفس وشیطان کی خواہشات کے طوفان سے صحیح سلامت گزر جائے گی کیونکہ اس پر قدرت ورحمتِ الٰہی کا سایہ ہے۔

اگر اس نصیحت پر عمل نہ کروگے تو آخر میں تمہیں اپنے عقل کی کوتاہی اور کمزوری کا اقرار کرنا پڑے گا اور پچھتانا پڑے گا۔

لہٰذا اگر لغزشوں اور برائیوں سے حفاظت چاہتے ہو تو اہل اللہ کی خاکِ پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنالو، پھر تم ٹھوکر نہ کھاؤ گے۔

جو لوگ دین کا راستہ اپنی عقل سے طے کرتے ہیں، ان کی توبہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ شیطان نے ایک پھونک ماری اور ان کی توبہ ٹوٹ جاتی ہے، لیکن ان کے تکبر کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اہل اللہ کو حقیر سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ تمام زندگی اللہ سے دور رہتے ہیں۔

❖ ...... اب مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ آخر میں بڑے گر اور نصیحت کی بات ارشاد فرماتے ہیں: ''اے لوگو! اپنے لیے کوئی متبع سنت رہبر تلاش کرو اور اللہ والوں کی صحبت کو کیمیا سمجھو۔''

حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے صبر کا واقعہ

حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مخلص اور سچے مرید نے ان کی زیارت کے لیے طالقان سے خارقان تک دور دراز کا سفر کیا، اور سفر کے دوران مختلف پہاڑوں اور وادیوں سے گزرنا ہوا۔

سفر بڑا تکلیف دہ تھا، واقعی طلب اور محبت سب کچھ کراتی ہے۔

اس کے دل میں اللہ والے کی محبت کی ایک تڑپ تھی، جو اس طویل سفر کی مشقتوں کو جھیلنے پر مجبور کر رہی تھی۔

بہرحال وہ شخص تکلیف و مشقت اٹھاتے ہوئے کسی طرح خارقان پہنچے اور پوچھتے پوچھتے حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر حاضر ہو کر دستک دی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گھر پر موجود نہ تھے، ایندھن کے لیے لکڑی لینے جنگل تشریف لے گئے تھے۔

اندر سے شاہ صاحب کی بیوی نے پوچھا، کون ہے؟

عرض کیا کہ مسافر ہوں اور دور دراز کا سفر کر کے حضرت شاہ صاحب کی زیارت کو حاضر ہوا ہوں۔

اہلیہ نہایت بداخلاق اور سخت غصہ والی تھیں۔ حضرت شاہ صاحب سے اکثر جھگڑا کرتی تھیں۔ نئے آنے والے مہمان مسافر کے اس اظہارِ عقیدت پر بہت غضب ناک ہوئیں، اور غصہ سے آگ بگولہ ہو کر کہا، ارے فلانے! کیا تجھ کو دنیا میں کوئی اور کام نہ تھا کہ اس قدر طویل سفر کی تکلیفیں فضول برداشت کیں اور بہت بُرا بھلا کہا۔

اس شخص نے حضرت شیخ کی بیوی کی زبان سے جب یہ بدتمیزی کی باتیں سنیں تو مارے غصہ کے تاب نہ لا سکا، اور کہا کہ اگر حضرت شیخ سے تمہارا بیوی ہونے کا تعلق نہ ہوتا تو ابھی تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا، لیکن اتنے بڑے بزرگ کی اہلیہ ہو، اس لیے میں کوئی گستاخی نہیں کر سکتا اور آپ کی بدتمیزی برداشت کر رہا ہوں۔

گھر سے ناامید ہو کر محلہ کے لوگوں سے دریافت کیا کہ آپ لوگ بتائیں حضرت کہاں تشریف لے گئے ہیں؟

کسی نے بتایا کہ وہ شیخِ وقت اور بڑے بزرگ جنگل سے لکڑیاں لینے گئے ہیں۔

شیخ کی محبت میں وہ مرید جنگل کی طرف چل دیا اور راستہ میں غم وغصہ کے ملے جلے جذبات میں سوچتا جا رہا تھا کہ اتنا بڑا شیخ! ایسی بد اخلاق عورت کو نہ جانے کیوں شرفِ تعلق بخشا ہے اور اس کو گھر میں رکھا ہے۔ اس کو طلاق دے کر فارغ کیوں نہیں کر دیتے۔

اسی شش و پنج میں مبتلا تھا، کیا دیکھتا ہے کہ سامنے سے ایک شخص شیر کی پشت پر سوار چلا آ رہا ہے اور لکڑیوں کا گٹھر بھی شیر کی پشت پر رکھا ہوا ہے۔

اس نے دیکھا کہ یہ تو وہی بزرگ قطبِ وقت، سلطانِ معرفت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مرید کو اس کیفیت میں دیکھا تو آپ ہنس پڑے اور سمجھ گئے کہ شاید بیوی کی سخت باتیں سن کر یہ بہت پریشان اور فکر مند ہوا ہے۔

آپ نے مرید سے ارشاد فرمایا: ”ارے میاں! اس بے وقوف عورت کی اس طرح کی آواز، سینکڑوں تکلیفیں برداشت کرتا ہوں اور یہ مجاہدہ و مشقت اور برداشت کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہے۔ یہ نہ خیال کرنا کہ عورت کے حسن اور رنگ کے عشق میں مجبور ہو کر خاموش ہوں۔

چونکہ میں تمام لوگوں میں محبوب و مقبول ہوں اور مخلوق کی تعظیم سے میرے اندر عجب و خود بینی پیدا ہو جاتی ہے، لہٰذا میرے تکبر اور غرور کا علاج یہ عورت کیا کرتی ہے۔

جب یہ میرے ساتھ گستاخی اور بدتمیزی سے پیش آتی ہے تو دماغ سے وہ تمام غرور و تکبر نکل جاتا ہے جو لوگوں کی تعریف و تعظیم سے پیدا ہوتا ہے اور اس طرح نفس کے عجب و تکبر سے تزکیہ اور پاکیزگی ہو جاتی ہے“۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ غیر اختیاری طور پر اگر کوئی مصیبت یا تکلیف لاحق ہو جائے تو گھبرانا نہ چاہیے، کیونکہ اس تکلیف و صدمے پر جو نعمت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوگی، وہ اس تکلیف سے بدرجہا بہتر ہوگی اور کبھی یہ چھوٹی بلا، کسی بڑی بلا سے نجات کا ذریعہ ہوتی ہے، جیسا کہ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ اہلیہ کی بدمزاجی تکبر جیسی مہلک بلا سے نجات کا ذریعہ ہوگئی۔

❖...... البتہ تکلیف و مصیبت طلب نہیں کرنی چاہیے بلکہ عافیت کی درخواست کرتا رہے کہ اے اللہ! ہم ضعیف ہیں، برداشت کی قوت نہیں، آپ سے عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ مانگے تو عافیت ہی پھر جس حال میں اللہ تعالیٰ رکھیں، راضی رہے اور مصیبت کے دور ہونے کی گڑگڑا کر اور عاجزی کے ساتھ ہمیشہ دعا کرتا رہے۔

ایک تاجر کی طوطی کا عجیب واقعہ

کسی زمانہ میں ایک سوداگر تھا۔ جس نے ایک طوطی پال رکھی تھی جو بڑی شیریں مقال اور خوش بیان تھی، بڑے مزے کی باتیں کیا کرتی تھی۔

ایک دفعہ سوداگر کو ہندوستان جانا پڑا۔ اس نے اپنے سب عزیزوں سے پوچھا کہ بتاؤ تمہارے لیے وہاں سے کیا لاؤں؟

سب نے اپنی اپنی پسند کی چیزیں لکھوا دیں سوداگر نے پھر طوطی سے پوچھا کہ تم بھی کچھ بتاؤ تمہارے لیے کیا لاؤں؟

طوطی نے کہا: میرا ایک کام کر کے آیئے۔ ہندوستان پہنچ کر فلاں دریا کے پار جانا، وہاں ایک پہاڑی نظر آئے گی جس پر بے شمار طوطیاں نظر آئیں گی، ان سے کہنا کہ تمہیں ایک قیدی طوطی سلام کہتی ہے۔

اور ان سے کہنا کہ افسوس تمہیں قیدی بہن کی کچھ خبر نہیں، خود تو کھلی فضاؤں میں سیر کرتی پھرتی ہو اور وہ بے چاری پنجرے میں قید ہے۔

خود تو باغ باغ پھرتی ہو جبکہ اس کا دل داغ داغ ہو رہا ہے۔ وہ اپنی آزادی کھو کر آج کل پنجرے میں بند ہے، کوئی ایسا علاج بتاؤ جس سے وہ قید سے آزاد ہو سکے۔

سوداگر نے کہا: میں تمہارا یہ پیغام ضرور پہنچا کر آؤں گا۔ چنانچہ سوداگر ہندوستان گیا تو اپنے کاموں سے فارغ ہو کر طوطی کا پیغام انہیں سنا دیا۔

سوداگر نے جب یہ پیغام دیا تو طوطیوں میں سے ایک طوطی تڑپ کر نیچے گری اور تڑپ تڑپ کر مر گئی۔

سوداگر بڑا حیران ہوا کہ اسے کیا ہوا؟ شاید یہ میری طوطی کی عزیز تھی جو صدمے سے مر گئی ہے۔

سوداگر جب وطن واپس آیا تو طوطی نے پوچھا، کیوں جناب! میرا پیغام آپ نے ان طوطیوں کو دے دیا تھا؟

سوداگر نے کہا: ارے وہ پیغام کیا تھا وہ تو ایک طوطی کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوا۔

میں نے تمہارا پیغام جب انہیں سنایا تو ان میں سے ایک طوطی تڑپ تڑپ کر

گری اور کر مرگئی۔ خدا جانے اسے کیا ہوا، ممکن ہے وہ کوئی تمہاری خاص عزیز تھی۔

سوداگر کی زبانی یہ واقعہ سن کر سوداگر کی طوطی بھی پنجرے میں تڑپنے لگی اور تڑپ تڑپ کر مرگئی اور اس کا بھی وہی حال ہوا۔

سوداگر بڑا حیران اور پریشان ہوگیا کہ یہ کیا قصہ ہے، ادھر وہ طوطی اس کا پیغام سن کر تڑپ تڑپ کر مرگئی۔

پریشانی کے عالم میں اس نے پنجرے کا منہ کھولا اور مردہ طوطی کو باہر نکال کر پھینک دیا۔ باہر پھینکتے ہی طوطی نے جھرجھری لی اور ایک دم اڑ کر ایک درخت کی شاخ پر جا بیٹھی۔

سوداگر یہ کرشمہ دیکھ کر اور بھی حیران ہوا کہ یہ کیا تماشا ہے! طوطی نے اس سے کہا: آپ حیران نہ ہوں، ہندوستان کی جو طوطی تڑپ تڑپ کر مرتے ہوئے آپ نے دیکھی ہے مری وہ بھی نہ تھی۔

دراصل اس نے مجھے یہ سمجھایا تھا کہ پنجرے سے اگر آزادی چاہتی ہو تو مرنے سے پہلے مرجاؤ۔ تمہاری زندگی اور خوش آوازی نے تجھے قید میں ڈال رکھا ہے۔

اس قید سے رہائی کی یہی ترکیب ہے کہ مرنے سے پہلے اپنے آپ کو مار ڈالو۔

چنانچہ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کر کے دیکھ لیا اور رہائی پالی ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا مرنے سے پہلے مرجاؤ، مطلب یہ کہ نفس کو مار ڈالو۔

یہ جس قدر حرص و طمع اور دیگر نفسانی خواہشات ہیں، ان کے باعث انسان گویا

مشکلات کے پنجرے میں بند ھے اور پریشان ہیں۔

اس پنجرے سے رہائی کے لیے یہی صورت ہے کہ مرنے سے پہلے نفس کو مار ڈالا جائے۔ نفس مر گیا تو حرص و طمع و دیگر خواہشات جو سینکڑوں برائیوں کی منبع ہیں، ختم ہو جائیں گی اور انسان ان تفکرات سے رہائی پا لے گا۔

اللہ والے جو ان نفسانی خواہشات کے پنجرے سے آزاد ہو چکے ہیں، ان کے لیے اسی لیے یہ ارشاد ہے کہ "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" انہیں نہ کوئی خوف ہے نہ غم، وہ ان پریشانیوں سے آزاد ہیں برخلاف ان کے جن کا نفس زندہ ہے وہ حرص و طمع کے پنجرے میں ایسے "قید" ہوتے ہیں کہ نہ دن کو چین اور نہ رات کو آرام، ہر وقت تفکرات کے عالم میں رہتے ہیں۔

❖ ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ خاک میں ملنے سے پہلے خاک ہو جانے سے زندگی ملتی ہے، یعنی تواضع، عجز و انکساری سے انسان پھل پاتا ہے اور سنگ دلی و تکبر سے فیضِ الٰہی سے محروم رہ جاتا ہے۔

دیکھ لیجیے! بارش ہوتی ہے تو اس کے فیض سے مٹی اپنی تواضع و عاجزی کی بدولت صد ہا رنگ کے پھل اور پھولوں سے لد جاتی ہے اور پتھر اپنی سختی کے باعث اس فیض سے محروم رہ کر ویسے کا ویسا خالی ہی رہ جاتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور روم کا سفیر

ایک مرتبہ بادشاہِ روم نے اپنا ایک سفیر امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، جب وہ مدینہ منورہ پہنچا تو مسلمانوں سے پوچھنے لگا تمہارے خلیفہ کا محل

کہاں ہے؟

جو مسلمان بھی سنتا، ہنستا اور جواب دیتا کہ ہمارے خلیفہ کا کوئی محل نہیں، اس کا قلعہ صبر وشکر ہے، وہ اگرچہ امیر المومنین ہے لیکن اس کا گھر غریبوں کے گھر جیسا بھی نہیں۔

سفیر بڑا حیران ہوا کہ اتنا عظیم حکمران کہ جس کا نام بھی سن کر ہمارا بادشاہ کانپ اٹھتا ہے اتنا سادہ مزاج اور دنیوی شان وشوکت سے بے نیاز ہے۔

اب تو اس کا شوق اور بھی بڑھا کہ مسلمانوں کے امیر کو ضرور دیکھنا چاہیے۔ آخر ایک بڑھیا نے اسے بتایا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو میں نے فلاں کھجور کے درخت تلے سوتے دیکھا ہے، وہاں چلے جاؤ، ان سے مل سکو گے۔

چنانچہ سفیر وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ''اللہ کا شیر'' کھجور کے درخت کے سایہ میں سو رہا ہے۔

سفیر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سوتے دیکھا تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا کچھ ایسا رعب اس پر پڑا کہ وہ کانپنے لگا۔ حضرت عمر حالانکہ سوئے ہوئے تھے مگر سفیر پھر بھی کانپ رہا تھا، بڑا حیران ہوا اور دل میں کہنے لگا، یہ ماجرا کیا ہے؟

میں قیصر وکسریٰ کے درباروں میں گیا لیکن کبھی مرعوب نہیں ہوا، بڑے بڑے جابر بادشاہوں کے دربار دیکھے، سینکڑوں جنگیں لڑیں، دشمنوں کے سر اڑائے، بیسیوں شیر مارے، لیکن میں کبھی نہیں ڈرا اور آج مسلمانوں کے خلیفہ سے اس قدر ڈر لگ رہا ہے کہ میرا جوڑ جوڑ کانپ رہا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابھی مر جاؤں گا۔ یہ کوئی خاص بندہ ہے۔

یہ اُس کا رعب نہیں بلکہ یہ آسمانی رعب ہے اور یہ شخص گویا گدڑی میں لعل چھپا ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خدا کے جلال کے مظہر تھے۔ باوجود ان کی سادگی کے بڑے بڑے طمطراق کے مالک بادشاہ ان کے نام سے بھی کانپتے تھے، ان کا یہ رعب سوتے ہوئے بھی قائم رہتا تھا۔
کھجور کا سایہ تو برائے نام تھا وہ ہر وقت خدا کے سایہ میں تھے اور بقول حضور صلی اللہ علیہ وسلم شیطان بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام سے خائف تھا اور آج تک ہے۔

❖ ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ جو اللہ سے ڈرے، اللہ اُس کا ڈر مخلوق کے دل میں پیدا کر دیتا ہے، اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا خدا اُسے ہر ایک سے ڈرانے لگتا ہے، چنانچہ آج دیکھ لیجیے جو اللہ سے نہیں ڈرتا تو ہر قسم کا ڈر ان پر مسلط ہو جاتا ہے۔

❖ ...... اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو حقیقی عزت اللہ تعالیٰ کے قوی اور صحیح تعلق سے نصیب ہوتی ہے، نہ کہ ظاہری آرائش سے۔
جیسا کہ نادان لوگ اپنے رب کو تو ناراض رکھتے ہیں اور اس کی نافرمانیوں کے باوجود عزت حاصل کرنے کے لیے بنگلے اور قیمتی لباس اور کاروبار کا سہارا لیتے ہیں، لیکن ان کی عزت کا جو مقام ہے وہ دنیا دیکھتی ہے کہ غائبانہ گالیاں پاتے ہیں۔
آج صدرِ مملکت ہیں اور جیسے ہی مستعفی ہوئے یا تختہ الٹا گیا تو اخباروں کی شہہ سرخیوں پر ان کا اعزاز و اکرام نظر آجاتا ہے۔
یہ دراصل بادشاہ ہیں، باد کے معنی ہوا یعنی ان کی عزت شاہی ہوا پر تھی، جبکہ اولیاء اللہ کی حقیقی شاہی ہوتی ہے اس لیے انہیں شاہ کہا جاتا ہے۔ زندگی میں بھی اور انتقال کے بعد بھی دنیا ان کا عزت سے نام لیتی ہے۔

ایک چڑیا کی پنجرے سے آزادی کا واقعہ

ایک شخص نے پھندا لگا کر ایک چڑیا پکڑ لی، چڑیا نے بڑی لجاجت سے کہا: تم نے آج تک کئی بکرے، دنبے اور مرغ کھائے ہیں، مجھ چھوٹی سی جان سے تمہارا کیا بنے گا؟ مجھے چھوڑ دو۔

اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں تمہیں تین بڑی کار آمد نصیحتیں کروں گی، جن پر عمل کرنے سے تمہارا بڑا فائدہ ہوگا۔

ایک نصیحت تو نقد تمہارے ہاتھ پر کروں گی۔ دوسری جب دیوار پر جا بیٹھوں گی اور تیسری اس وقت جب درخت کی شاخ پر جا بیٹھوں گی۔

شکاری نے یہ بات مان لی اور چڑیا کو ہاتھ پر بٹھا کر پوچھا، بتا پہلی نصیحت کیا ہے؟

چڑیا بولی میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ جو بات نہ ہونے والی ہو، اسے ہرگز نہ مانو۔

چڑیا یہ کہہ کر پھر دیوار پر جا بیٹھی اور کہا، دوسری نصیحت یہ ہے کہ جو بات ہو جائے اس کا غم نہ کرو۔

پھر شرارت کے ساتھ کہنے لگی تم نے غلطی کی جو مجھے چھوڑ دیا۔ میرے پیٹ میں پاؤ بھر کا بیش قیمت موتی تھا، اگر تم مجھے ذبح کر کے میرے پیٹ سے وہ موتی نکال لیتے تو تمہاری سات پشتوں تک کے لیے وہ کافی ہوتا۔

یہ سن کر وہ شخص بڑا پچھتایا کہ ہائے میں نے یہ کیا کیا! اگر اسے نہ چھوڑتا تو موتی پا کر امیر کبیر بن جاتا ہے۔

چڑیا اُڑ کر پھر درخت کی شاخ پر جا بیٹھی اور کہنے لگی، میری پہلی نصیحت کو ابھی بھول گئے، میں نے پہلی نصیحت یہ کی تھی کہ جو بات نہ ہو سکنے والی ہو اسے ہرگز نہ مانو

مگر تم نے یہ کیسے مان لیا کہ مجھ چھوٹی سی چھٹانک بھر چڑیا کے پیٹ میں پاؤ بھر کا موتی ہوگا۔ یہ بات ممکن ہی کب ہے؟

دوسری میری نصیحت یہ تھی کہ جو بات ہوجائے اس کا غم نہ کرو، تم نے یہ دوسری نصیحت بھی بھلادی اور غم کرنے لگے کہ چڑیا کو میں نے کیوں چھوڑ دیا۔

شکاری نے کہا اچھا تیسری نصیحت تو بتاتی جاؤ، چڑیا بولی میری پہلی دو نصیحتوں پر تم نے کب عمل کیا ہے؟ جو تیسری پر عمل کروگے، تمہیں کوئی نصیحت کرنا ہی فضول ہے۔ یہ کہہ کر اُڑ گئی۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... آج کل کے دانشوروں کو لاکھ اسلامی نصیحتیں کیجیے وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ یہ زمانہ ترقی کا زمانہ ہے اس دور میں انسانوں کی ذہنیت علمنہ اور خیالات بدلے جاچکے ہیں۔

وہ پرانے زمانہ کی چڑیا تھی جس کی یہ نصیحت تھی کہ "انہونی بات پر یقین نہ کرو"، لیکن آج کل مغربی تہذیب کی چڑیا کی یہ نصیحت ہے کہ انہونی بات پر یقین نہ کرنا پرانی بات ہے، میری نصیحت یہ ہے کہ ہونے والی بات پر بھی یقین نہ کرو۔ حشر ونشر، جسمانی معراج اور معجزات جو یقیناً ہونے والی باتیں ہیں اور ہوئیں انہیں بھی مت مانو۔

قرآن مجید فرمائے، حدیث شریف کا ارشاد ہو کہ یہ بات ہوئی یا وہ بات ہوگی تو تم ہرگز نہ مانو ورنہ تم پرانے لوگ کہلاؤگے ماڈرن نہ رہوگے۔

❖ ...... پہلے زمانہ میں تو انسان نے پھندا لگا کر چڑیا کو پکڑا تھا لیکن آج کل کی مغربی چڑیا نے نکٹائی اور ٹیڈی لباس کا پھندا لگا کر انسان کو پکڑ اور جکڑ لیا ہے۔

❖...... پہلے زمانہ کے جانور نے بھی قید سے رہا ہونے کی ترکیب کی اور رہا ہوگئی مگر آج کل کے دانشور اس قید میں خوش بلکہ اسے آزادی سمجھ کر دوسروں کو بھی اس مغربی پنجرے میں پھنسانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ چڑیا نے قید کو قید سمجھا اور آج کل ان دانشوروں نے قید کو آزادی سمجھ رکھا ہے۔

❖...... پہلے زمانہ کی چڑیا پھندے سے رہا ہوئی تو شکاری پچھتایا تھا، اور اب اگر کسی اللہ والے کی کوشش سے ماڈرن مسلمان مغربی پھندے سے رہا ہو کر سچا مسلمان بن جائے تو مغربی چڑیا پچھتاتی ہے۔

❖...... پہلے زمانہ کی چڑیا نے اپنے پیٹ میں پاؤ بھر کا موتی بتایا تھا اور وہ بھی شرارت سے، اور مغربی تہذیب کی چڑیا کے پیٹ میں کئی کئی ٹن کے بم بھرے ہیں جو حقیقت ہیں اور انسان کے لیے سراسر مہلک۔

مسلمانو! جس طرح وہ چڑیا پھندے سے اپنی کوشش سے آزاد ہوگئی تھی، تم تو انسان ہو، کوشش کرو کہ اس مغربی چڑیا کے پھندے سے آزاد ہو جاؤ۔

عطار کی طوطی

ایک عطار کے پاس ایک خوشنما وخوش نوا طوطی تھی۔ عطار اسے اپنی دکان میں رکھتا تھا۔ طوطی اپنے پنجرے میں بڑی میٹھی میٹھی باتیں کرتی تھی۔ خریدار آتے انہیں سلام کہتی اور طرح طرح کی باتیں کرتی تھی۔ طوطی کی خوشنوائی سے عطار کی دکان پر گاہکوں کا ہجوم لگا رہتا تھا اور اس کی خوب بکری ہوتی۔

ایک دن عطار کسی کام کے لیے گھر گیا تو اس کی دکان میں اتفاقاً ایک بلی

آ گئی۔ بلی نے دکان میں چوہوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پکڑنا شروع کیا۔

طوطی نے بلی کو دیکھا تو گھبرا گئی اور ڈر کے مارے پنجرے میں اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ اس اچھل کود سے پنجرہ بادام روغن کی بوتلوں پر آ گرا اور وہ سب بوتلیں ٹوٹ گئیں اور قیمتی روغن بہہ نکلا۔

عطار گھر سے واپس دکان پر آیا تو دیکھا کہ جتنی بادام روغن کی بوتلیں تھیں سب ٹوٹی پڑی ہیں اور بادام روغن ساری دکان میں بہہ رہا ہے، پنجرے کو دیکھا تو وہ ان بوتلوں پر گرا ہوا تھا اور طوطی سہمی ہوئی پنجرے میں بیٹھی تھی۔

عطار نے اپنا یہ نقصان دیکھ کر طوطی کی شرارت سمجھی اور قصوروار سمجھ کر طوطی کے سر پر دو چار تھپڑ مارے، جن سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے اور اس کا سر گنجا ہو گیا۔

طوطی مار کھا کر کچھ ایسی سہمی اور ڈری کہ اس نے بولنا چھوڑ دیا۔ جتنی میٹھی باتیں کرتی تھی سب ختم ہو گئیں۔ عطار نے ہزار کوشش کی کہ طوطی بولنا شروع کرے مگر اس نے بالکل ہی خاموشی اختیار کر لی۔

اِدھر طوطی کی خوشنوائی گئی اُدھر اس کی خریداری کم ہو گئی، اس کی دکان پر طوطی کی آواز سننے کے شوقین کا ہجوم رہتا تھا ختم ہو گیا۔

اب تو عطار بڑا پچھتایا کہ میں نے اسے کیوں مارا۔ کافی جتن کیے کہ کسی طرح طوطی بولنا شروع کر دے مگر طوطی نہ بولی۔

عطار نے فقیروں محتاجوں اور سائلوں کو خیرات دینا شروع کی تا کہ اس طرح خدا تعالٰی میری فریاد سنے اور طوطی بولنا شروع کر دے۔

تین دن تک طوطی خاموش رہی چوتھے روز ایک فقیر دکان پر آیا جو سر سے گنجا تھا۔ اس نے آ کر سوال کیا طوطی نے اُس گنجے فقیر کا سر دیکھا تو ایک دم بول اٹھی اور

کہنے لگی: کیوں جناب! آپ نے بھی بادام روغن کی بوتلیں توڑی ہیں جو آپ بھی گنجے ہو گئے۔

لوگ اس کی اس بات پر ہنس دیے کہ اُس نے اس فقیر کو بھی اپنی مثل سمجھ لیا اور قیاس کرلیا کہ میں جو بوتلیں توڑ کر اور پٹ کر گنجی ہوئی ہوں اسی طرح اس فقیر نے بھی بوتلیں توڑی ہیں اور یہ بھی پٹ کر گنجا ہوا ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... بزرگوں کو اپنی مثل سمجھ لینا اور ان کے افعال و اعمال کو اپنے اعمال پر قیاس کرلینا انسانوں کا نہیں جانوروں کا کام ہے، چنانچہ کفار کی عقل بھی جانوروں کی سی تھی کیونکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو کھاتا پیتا دیکھ کر انہیں اپنی مثل سمجھ لیتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے:

مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ یَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ

یہ (رسول) نہیں مگر تم جیسا آدمی جو تم کھاتے ہو اسی میں سے کھاتا ہے،

اور جو تم پیتے ہو اس میں سے پیتا ہے۔

یعنی کافروں کا اس طوطی کی طرح یہ خیال تھا کہ جس طرح ہم کھانے پینے کے محتاج ہیں اسی طرح یہ نبی بھی کھانے پینے کے محتاج ہیں اور ہماری مثل ہیں۔

حالانکہ جس طرح سے گنجے فقیر اور اس کی گنجی طوطی میں ہرگز کوئی مماثلت نہ تھی۔ فقیر کا سر قدرتی طور پر بالوں سے خالی تھا اور طوطی کا سر تھپڑ کھا کر گنجا ہوا تھا، فقیر کا سر اس کے لیے گنجا تھا اور طوطی کا سر اس کے لیے باعث رنج تھا، بلاتشبیہ کفار کا کھانا پینا پیٹ کی آگ بجھانے کے خاطر تھا اور انبیاء کرام علیہم السلام کا کھانا پینا سکھانے کی خاطر تھا۔

ریل گاڑی پر مسافر بھی سوار ہوتا ہے اور ریلوے گارڈ بھی، بظاہر دونوں مسافر ہیں لیکن مسافر کرایہ دے کر سفر کرتا ہے اور گارڈ تنخواہ لے کر سفر کرتا ہے۔ مسافر ریل پر اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے بیٹھتا ہے اور گارڈ منزل پر پہنچانے کے لیے بیٹھتا ہے۔ بظاہر فعل ایک ہے لیکن اغراض مختلف ہیں۔

دانائے روم ارشاد فرماتے ہیں۔

(۱) کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن "شیر" و "شیر"

(۲) ہمسری با انبیاء بر داشتند!!
اولیاء را ہمچو خود پند اشتند

(۳) گفتند کہ ما بشر ایشاں بشر
ما وایشاں بستۂ خوابیم و خور

(۴) ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا
وآں خورد گردد ہمہ نور خدا

۱...... یعنی پاک لوگوں پر اپنا قیاس نہ کر اگرچہ لکھنے میں "شیر" اور "شیر" (کے حروف) ایک جیسے ہیں۔

۲...... کافروں نے انبیاء کے ساتھ ہمسری کی اولیاء کو اپنے جیسا جانا۔

۳...... ان کافروں نے کہا کہ ہم بھی بشر ہیں یہ (انبیاء) بھی نیند اور خوراک کے محتاج ہیں۔

۴...... (حالانکہ) یہ کافر کھائے تو بول و براز بنتا ہے اور وہ (پیغمبر) کھائے تو نورِ خدا بنتا ہے۔

لہٰذا مسلمانو! گنجی طوطی نہ بنو اور بچے نہ بنو، انسان بنو اور بالغ نظر بنو، انبیائے کرام علیہم السلام اور بزرگانِ دین کو اپنی مثل نہ سمجھو۔

ایک گیدڑ کی بدفہمی کا عجیب واقعہ

ایک گیدڑ اتفاقاً شہر میں آنکلا اور ایک رنگریز کے برتن میں گر پڑا۔ رنگریز نے اُس برتن میں کپڑے رنگنے کے لیے کئی رنگ گھول رکھے تھے۔

گیدڑ جو اس برتن سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ اس کی کھال رنگین ہو گئی تھی، کہنے لگا واہ واہ!! میں تو اب مور بن گیا ہوں۔

دھوپ نکلی تو اس کی کھال کے رنگ خوب چمکنے لگے، گیدڑ نے جب دیکھا کہ اس کی کھال سبز پیلے اور لال رنگوں سے مزیّن ہے تو جنگل میں واپس آکر دوسرے گیدڑوں کے سامنے اکڑ اکڑ کر چلنے لگا، اور سب سے الگ رہنے لگا۔

سب نے اس سے کہا: یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ نہ ہم سے بات کرتے ہو، نہ ہم میں بیٹھتے ہو۔ یہ تکبر تم میں کیوں پیدا ہو گیا؟

رنگین گیدڑ نے ان سے کہا: میری خوبصورت اور رنگین کھال کو دیکھو اور سمجھو میں کون ہوں، خبردار! اب مجھے گیدڑ کہہ کر نہ پکارنا، میں اب گیدڑ نہیں رہا، مور ہوں۔

انہوں نے کہا: اچھا! اگر تم مور ہو تو ناچ کر دکھاؤ کیونکہ مور باغ میں ناچتے ہیں۔

اس نے کہا میں کبھی جنگل میں بھی نہیں ناچا، پھر باغ میں ناچنے کا اقرار کیوں کروں؟ تم ناچ کو چھوڑو میری رنگین کھال کو دیکھو مور جیسی ہے یا نہیں؟

انہوں نے کہا: اچھا! مور کی بولی ہی بولو۔ کہنے لگا: بولی کو بھی چھوڑ و تم میرا رنگ دیکھو۔

اب سارے گیدڑوں نے غصہ میں آکر کہا: ارے بے وقوف! جب موروں کا کوئی کمال تجھ میں نہیں، نہ ناچ سکتے ہو اور نہ ہی مور کی بولی بول سکتے ہو، تو محض موروں کا سا رنگ پا کر اپنے اوپر مور ہونے کا گمان نہ کر۔

زانکہ طاؤس کنندت امتحان
خوار و بے رونق بمانی در جہان

اس لیے کہ جب مور تیرا امتحان کریں گے تو دنیا میں تو ذلیل و خوار ہو جائے گا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... آج کا مسلمان اتفاقاً مسلمانوں کے گھر پیدا ہو کر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے برتن میں گر پڑا ہے، کلمہ کا رنگ اس پر چڑھ گیا ہے اور یہ صرف کلمہ پڑھ لینے کے بعد اپنے آپ کو کامل مسلمان سمجھنے لگا ہے، لیکن اگر اس سے یہ کہا جائے کہ اگر تم مسلمان ہو تو مسلمان تو مسجد میں نماز پڑھا کرتے ہیں، تم بھی نماز پڑھ کر دکھاؤ، تو کہتا ہے میں نے نماز کبھی گھر میں بھی نہیں پڑھی پھر مسجد میں پڑھنے کا اقرار کیوں کروں، تم نماز کو چھوڑو کلمہ کا رنگ دیکھو! مسلمانوں کی طرح کلمہ پڑھتا ہوں یا نہیں۔

پھر اگر کہا جائے اچھا مسلمان تو قرآن پڑھا کرتے ہیں، قرآن کی کوئی آیت ہی سناؤ، تو کہتا ہے قرآن سنانے کی بات بھی رہنے دو، کلمہ کا رنگ دیکھو۔

کہا جائے کہ اچھا بھئی! ماہِ رمضان میں روزے ہی رکھو، کیونکہ مسلمان اس ماہ میں روزے رکھتے ہیں، تو کہتا ہے روزے کی بات بھی چھوڑو بس میرے کلمہ کا رنگ دیکھو۔

اب یہاں اسلام کو غصہ آجائے گا اور وہ فرمائے گا، ارے بے وقوف! جب تم میں مسلمانوں کا کوئی کمال اور اسلامی اعمال ہی نہیں تو محض کلمہ کا رنگ پا لینے سے

اپنے اوپر پکّا مسلمان ہونے کا گمان کیوں کر رہے ہو؟

نہیں تجھ میں اعمال اسلام گر
مسلمان ہونے کے دعوے نہ کر

❖ ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگ ہمارے ہی ووٹوں سے اسمبلی کے رنگین برتن میں جا گرتے ہیں پھر وہ اپنے آپ کو ہم سے بڑا سمجھنے لگتے ہیں، ہم سے بات کرنے کے بھی روادار نہیں رہتے، اور کہتے ہیں بھئی! اب ہمیں اپنے جیسا نہ سمجھو، اب ہم ممبر ہیں ممبر، بڑے لیڈر ہیں ہم۔

اچھا صاحب! اگر آپ ممبر ہیں تو ہماری فلاں مشکل حل کر دیجیے۔

جواب ملے گا: اس بات کو اب چھوڑو، اور ہمیں ممبر سمجھو، دیکھتے نہیں، ہم اسمبلی کے رنگ سے رنگین ہیں۔

ووٹر تنگ آ کر پھر یہی کہیں گے کہ جناب اگر آپ ممبر بن کر ہمارے کام نہ آئے تو آپ کا ممبر کہلانا بے کار ہے۔

سانپ کا چور

ایک سپیرا چوک میں تماشا دکھا رہا تھا، سانپ خوبصورت تھا۔ دوسرے سپیرے نے دیکھا تو دل میں ارادہ کر لیا کہ آج رات اس کے گھر سے یہ سانپ چرا لاؤں گا۔

رات پڑی تو موقع پا کر چور سپیرے نے دیوار میں نقب لگائی، اندر گیا اور جس تھیلی میں سانپ بند تھا اسے چرا کر اپنے گھر لے آیا۔

سانپ ہر آٹھویں دن مستی میں آ جایا کرتا تھا جو انسان بھی ہو اُسے ڈس لیا کرتا تھا۔

سانپ کا اصل مالک صبح اٹھا تھیلی کو گم پا کر وہ بہت پریشان ہوا، خدا سے دعا مانگنے لگا، الٰہی! میرا سانپ مجھے واپس دلا دے ورنہ میں اس کے بغیر بے کار ہو جاؤں گا۔

ادھر سانپ کے چور نے صبح سانپ دیکھنے کے لیے تھیلی میں ہاتھ ڈالا، اتفاقاً وہ سانپ کی مستی کا دن تھا۔ سانپ نے جھٹ چور کو ڈس لیا۔ سانپ کا چور اسی وقت منہ کے بل گرا اور بغیر پانی مانگے مر گیا۔

سانپ کے مالک نے جب چور کا انجام سنا تو سجدے میں گر پڑا۔ اس نے کہا الٰہی! تیرا شکر کیسے ادا کروں کہ تو نے سانپ کی مستی سے مجھے بچا لیا، اگر سانپ چوری نہ ہوتا یا واپس مل جاتا تو شاید یہ مجھ کو کاٹ لیتا اور میں مر جاتا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اللہ کے ہر کام میں حکمت مضمر ہوتی ہے۔ بعض اوقات ہماری دعا قبول نہیں ہوتی اس میں بھی حکمت ہوتی ہے۔ یہ کہنا کہ خدا نے میری دعا قبول کیوں نہیں کی؟ بڑی نادانی کی بات ہے، جو کچھ خدا جانتا ہے ہم نہیں جانتے، وہ جو ہماری دعا قبول نہیں فرماتا اس میں بھی ہمارا فائدہ مضمر ہوتا ہے۔

دعا مانگنا ہمارا کام ہے قبول فرمانا یا نہ فرمانا یہ خدا کی رضا ہے۔ اسی کی رضا بہرحال ہمارے لیے مفید ہے۔

❖...... یہ بھی معلوم ہوا کہ چور کا انجام برا ہوتا ہے، یہ انجام چاہے فوری طور پر ظاہر ہو یا دیر سے بہرحال برا ہوتا ہے، اور نفس بھی ایک خوب صورت سانپ ہے جب یہ مستی میں آکر انسان کو ڈستا ہے تو انسان کا ایمان تک مٹ جاتا ہے، اس لیے ہمیشہ سے تقویٰ کی تھیلی کا منہ کبھی کھولنا ہی نہ چاہیے تاکہ یہ مر ہی جائے اور انسان اس کے خطرے سے محفوظ ہو جائے۔

نہنگ واژدھا و شیرِ نر مارا تو کیا مارا!
بڑے موذی کو مارا نفسِ امارہ کو گر مارا

❖...... اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مال کے نقصان پر پریشان نہ ہونا چاہیے، ہوسکتا ہے کہ جان پر آنے والی بلا کو خدا تعالیٰ مال کے نقصان کے ذریعہ ٹال رہا ہو۔ اسی لیے مولانا روم فرماتے ہیں۔

(۱) گفت لَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ
اِنْ اَتَی السَّرْجَانُ اَرْدٰی شَاتَکُمْ
(۲) گر بلا آید تقا اندوہ مبر!
در زیان بینی غمِ اورا مخور
(۳) راحت جاں آمد اے جاں فوتِ مال
مال چوں جمع آمد اے جاں شد وبال
(۴) ہرچہ از تو یا وہ گردد از قضا!
تو یقیں داں کہ خیر دادت از بلا

(۱)...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کوئی چیز گم ہوجائے تو افسوس نہ کر اگر بھیڑیا آکر بھیڑ کو ہلاک کر جائے (تو افسوس نہ کر)۔

(۲)...... تجھ پر کوئی مصیبت آجائے تو غم نہ کر اور اگر نقصان کا سامنا کرے تو اس کا غم نہ کر۔

(۳)...... اے جان! مال کا کم ہوجانا تو جان کی راحت ہے کیونکہ جب مال جمع ہوجائے تو وبال ہوتا ہے۔

(۴)...... دستِ قضا تجھ سے کوئی چیز چھین لے تو یقین کر کہ اس نے تجھے مصیبت سے نجات دے دی۔

تین مچھلیوں کا عبرت ناک واقعہ

ایک دریا کے قریب پانی کے چند تالاب تھے۔ ایک تالاب میں تین مچھلیاں رہتی تھیں۔ ایک تو ان میں سے بڑی عاقل تھی، دوسری نیم عاقل (کم عاقل) اور تیسری احمق تھی۔

ایک دن ایک ماہی گیر نے اس تالاب میں تینوں کو دیکھ لیا اور کہنے لگا، کل جال لاؤں گا اور ان تینوں مچھلیوں کو پکڑ کر لے جاؤں گا۔

عاقل مچھلی نے دونوں سے کہا: تم نے سنا یہ ماہی گیر ہمیں دیکھ کر کیا کہہ گیا ہے؟ میری رائے یہ ہے کہ آج ہی ہم تینوں رات بھر گرتی پڑتی اس گڑھے سے نکل کر دریا میں چلی جائیں ورنہ کل ماہی گیر ہمیں پکڑ لے گا۔

نیم عاقل مچھلی نے کہا: ہاں میں نے بھی ماہی گیر کی بات سنی ہے مگر مجھے اپنے نبی ﷺ کا ارشاد بھی یاد ہے کہ وطنِ عزیز سے محبت جزوِ ایمان ہے اس لیے میں تو اپنا وطن ہرگز نہ چھوڑوں گی۔

عاقل مچھلی نے نیم عاقل مچھلی سے کہا: نبی ﷺ کا ارشاد مجھے بھی یاد ہے مگر یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ تم نے اس عارضی پانی کو اپنا وطن سمجھ لیا ہے۔

تیسری مچھلی جو احمق تھی، وہ کہنے لگی: تم خواہ مخواہ ڈر رہی ہو میں کسی صورت ماہی گیر کے ہاتھ آ ہی نہیں سکتی، وہ کل آ کر ہزار جتن کر کے دیکھ لے میں کبھی اس کے ہاتھ نہ آؤں گی۔

عاقل مچھلی نے کہا: میں نے تو تمہیں سمجھانے کا حق ادا کر دیا، تم جاؤ یا نہ جاؤ میں تو دریا کو چلی۔ چنانچہ وہ گرتی پڑتی دریا کی طرف چل پڑی اور خدا کی مدد سے آخر دریا تک پہنچ گئی۔

دوسرے روز ماہی گیر آ گیا اور اس نے جال گڑھے میں پھینکا، دونوں مچھلیاں اس کے جال میں آ گئیں۔ نیم عاقل نے یہ تدبیر کی کہ اپنا دم گھونٹ کر مردہ بن گئی، ماہی گیر نے اسے مردہ سمجھ کر دریا کی طرف پھینک دیا، وہ ایک دو جست لگا کر دریا میں کود گئی اور بچ گئی۔

تیسری مچھلی نے جب اپنے آپ کو پھنسا ہوا دیکھا تو رونے لگی اور پچھتانے لگی کہ میں نے کیوں عقلمند مچھلی کی نصیحت نہ سنی اور کیوں نہ اس پر میں نے عمل کیا۔ ہائے افسوس! اگر میں اس کا کہا مان لیتی تو آج یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... شیطان ہر وقت ہماری تاک میں ہے۔ وہ ہمیں اپنے جال میں پھانسنا چاہتا ہے۔

انسانوں کی بھی تین قسمیں ہیں عاقل، نیم عاقل اور احمق۔

عاقل وہ ہیں جو نفسانی خواہشات کے گڑھے سے نکل کر زہد و تقویٰ کے دریا میں چلے جاتے ہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ

بے شک میرے بندوں پر تیرا (شیطان کا) کچھ قابو نہیں۔

(الاسراء:٦٥)

اور جو نیم عاقل ہیں وہ ابتدا میں شیطان کے قابو میں آ جاتے ہیں لیکن پھر مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا پر عمل کر کے توبہ کی جست لگا کر دریا میں پہنچ جاتے ہیں اور بچ جاتے ہیں۔ ان کے لیے اللہ فرماتا ہے:

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ

فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

(المائدۃ:٣٩)

جو اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو اللہ اپنی مہربانی سے اس پر رجوع فرمائے گا، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور جو احمق ہیں وہ مکمل طور پر شیطان کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور بڑھاپے تک گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان کے لیے اللہ فرماتا ہے:

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللهِ أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ

ان پر شیطان غالب آ گیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلا دی وہ شیطان کا گروہ ہے۔ سنو! بے شک شیطان ہی کا گروہ خسارے میں ہے۔

مسلمانوں عاقل بنو! اگر آج تک عقل سے کام نہیں لیا تو ابھی بھی وقت ہے کہ توبہ کی جست لگا کر خدا کی رحمت کے دریا میں پہنچ جاؤ، ورنہ احمق بن کر شیطان کے جال میں پھنس کر جہنم کی آگ میں بھننا پڑے گا۔

بچیے شیطان لعین کے جال سے
توبہ کرلیجیے برے اعمال سے

شاہی باز اور ایک بڑھیا

ایک دفعہ ایک بادشاہ کا باز شاہی محل سے اڑ کر کسی بڑھیا کی جھونپڑی میں چلا گیا۔

بڑھیا نے باز کو دیکھا تو خوش ہوئی اور اسے پکڑ کر افسوس کرتے ہوئے کہنے لگی:

اتنا خوب صورت پرندہ اور اس کا یہ برا حال؟

ناخن ہیں تو بہت لمبے کسی نے انہیں تراشا نہیں، پر ہیں تو وہ بھی بہت لمبے کسی

نے انہیں کاٹا ہی نہیں، یہ پرندہ کسی جاہل کے پاس رہا ہوگا۔

یہ کہہ کر اٹھی، قینچی لا کر باز کے ناخن تراش دیے اور پر بھی کاٹ ڈالے اور بڑی خوش ہوئی کہ میں نے اس کی اصلاح کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ بھی باز کی تلاش میں وہاں آ پہنچا۔ جب اپنے باز کا یہ حال دیکھا تو رونے لگا اور کہنے لگا۔

ہر کہ با جاہل بود ہمراز باز
آں رسد با او کہ با آں شاہباز

جو کسی جاہل کی صحبت اختیار کرے گا اس کا بھی وہی حال ہوگا جو اس باز کا ہوا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اللہ کا پسندیدہ دینِ اسلام جو ہمارے اس ماڈرن دور کی کوٹھی میں پہنچا تو مغربی تہذیب کی بڑھیا نے جب اس کے مجاہدانہ ناخن اور عبادت و معرفت کے پر دیکھے اور اسلام کے رنگ میں رنگے ہوئے منہ پر داڑھی دیکھی تو اس نے ان اسلامی اوصاف کو جاہلانہ رسوم کہہ کر اپنی الحاد کی قینچی اٹھائی اور اس کے مجاہدانہ ناخن کاٹ دیے اور اس کی عبادت و معرفت کے پر بھی کاٹ دیے، داڑھی بھی مونڈ ڈالی اور خوش ہوگئی کہ میں نے مسلمان کی اصلاح کر دی، حالانکہ ناخن اور پر باز کے شکار اور اس کے بلند پروازی کے لیے ضروری تھے، لیکن بڑھیا نے اپنی اصلاح سے اسے نکما کر دیا اور باز سے چڑیا بنا کر رکھ دیا۔

اسی طرح مغربی تہذیب کی بڑھیا نے مسلمان کے جذبہ جہاد کے ناخن کاٹ دیے، اس کے نماز روزے اور عبادت و معرفت کے پر کاٹ ڈالے، اور اس کی

داڑھی بھی مونڈھ کر اُسے بے کار کر کے رکھ دیا، حالانکہ جذبہ جہاد، نماز و روزہ وغیرہ مسلمانوں کے اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّار ہونے اور ان کی بلند پروازی و عروج کے لیے ضروری ہیں، مگر اس ظالم بڑھیا نے مسلمان کی اصلاح کر کے اسے نکما کر کے رکھ دیا۔ مجاہد کو ٹیڈی بنا دیا اور لڑکے کو لڑکی بنا دیا۔

کسی دوسرے شاعر کا یہ شعر بھی خوب ہے کہ۔

ممولوں کی مانند شہباز ہیں
جو تھے تیغ زن صاحب ساز ہیں

آج اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسلام کا یہ حال دیکھ پائیں تو رونے لگیں۔

باز اور بطخ کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک باز بطخ پر جھپٹا تو وہ پانی میں غوطہ لگا گئی۔ بطخ کی تاک میں باز ہوا میں چکر لگاتا رہا، بطخ سطح آب پر ابھری تو باز نے کہا:

بی بطخ! تم نے ساری زندگی پانی میں ہی گزاری ہے، جنگل میں آکر دیکھو! وہاں سینکڑوں پھل دار درخت ہیں، سبزہ ہے، ہریالی ہے اور طرح طرح کے پرندے ہیں۔ تم یقیناً اس جنگل میں آکر اس تالاب کو بھول جاؤ گی۔

بطخ عاقل تھی، وہ اس کی چال کو سمجھ گئی کہ باز مجھے جنگل کا لالچ دے کر اپنے چنگل میں گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ بطخ نے باز کو جواب دیا:

اے باز دھوکے باز! دور ہو جاؤ۔ جنگل کی رنگینیاں تجھے مبارک ہوں۔ میرے لیے یہ پانی ہی صحیح ہے جو میرے لیے امن اور خوشی کا حفاظتی قلعہ ہے۔

پانی کے بغیر میں زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ تم ہوا کے دوش پر تیرتے ہو اور میں پانی کی لہروں پر، میں جنگل میں نہیں جاتی اور تم پانی پر جھپٹنے کی زحمت نہ اٹھاؤ۔ یہ کہا اور بطخ باز کو منہ چڑاتے ہوئے پانی میں پھر غوطہ لگا گئی۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری بعثت، ہدایت اور علم کی مثال ایک عالمگیر بارش کی طرح ہے جس سے ساری زمین مستفید ہوتی ہے (مشکوٰۃ شریف) مسلمان اس پانی میں خوش اور مامون رہتا ہے لیکن الحاد کا باز مغربی ہوا میں اڑتا ہوا آتا ہے اور اسلامی بطخ (مسلمان) پر جھپٹتا ہے اور دانا مسلمان الحاد کے باز سے بچنے کے لیے اسلامی پانی میں غوطہ زن ہو کر بچ جاتا ہے۔

پھر یہ باز مسلمان کو یورپ کے جنگل کی رنگینیاں سنا سنا کر پھسلانا چاہتا ہے اور بتاتا ہے وہاں مال و دولت کی کثرت ہے، حسن و جمال ہے، آزادی و خوشحالی ہے اور رنگین و حسین عورتیں ہیں، چنانچہ خدا تعالیٰ نے یورپ کے جنگل کا نقشہ یوں بیان فرمایا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ
وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ
وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ
(آل عمران:۱۴)

لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور اوپر تلے سونے اور چاندی کے ڈھیر اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے (زمین دوز ریلیں اور کاریں) اور کھیتی (یعنی کھانے پینے کے لیے رنگارنگ کی چیزیں) الحاد

اور بے دینی کا باز یورپ کے جنگل کی انہی ظاہری خوبیوں کا بیان کر کے اسلامی بلخ (مسلمان) کو پھانسنا چاہتا ہے۔

لیکن دانا مسلمان کے پیش نظر خدا کا یہ ارشاد ہوتا ہے:

لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

(آل عمران:۱۵)

پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

وہ اپنی اس جنتی نہر کے پیش نظر الحاد کے باز کے دھوکے میں نہیں آتا اور اسے صاف صاف جواب دیتا ہے کہ تمہیں یہ ملحدانہ اڑان مبارک اور مجھے میرا ایمان مبارک، یہ کہہ کر مسلمان مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا پڑھتا ہوا پھر اسلامی پانی میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔

یہ مسلمان بزبانِ حال اپنے آپ کو یہ شعر سناتے ہوئے تسلی دیتا ہے۔

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل!

یہ خزاں ہے جو بہ انداز بہار آئی ہے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک اونٹ نے صبح کے وقت اپنی مہار توڑ لی اور کسی طرف چل پڑا۔ اس کی مہار زمین پر گھسٹتی جا رہی تھی۔

راستے میں ایک چوہے نے دیکھا کہ اونٹ کی مہار کھلی ہے اور اونٹ بغیر کسی

رہبر کے جارہا ہے۔

چوہے نے سوچا کہ اونٹ کی مہار میں پکڑ لوں اور اونٹ کا رہبر بن کر اس کے آگے آگے چلوں۔

اس شوقِ رہبری میں چوہے نے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور اونٹ کے آگے آگے چلنے لگا۔ دل میں خوش ہونے لگا کہ میں آج اتنے بڑے اونٹ کا رہبر بن گیا ہوں۔ اونٹ نے یہ صورت دیکھی تو وہ بھی چوہے کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد آگے ایک نالہ آگیا جس میں پانی بڑے زور سے بہہ رہا تھا۔ چوہے نے نالہ میں پانی کا بہاؤ دیکھا تو ٹھٹک کر رہ گیا اور نالہ کے کنارے پر کھڑا ہو گیا۔

اونٹ نے کہا: اے میرے رہبر! کھڑے کیوں ہو گئے ہو؟ آگے بڑھو۔

چوہا بولا: کیا کروں آگے نالہ ہے اور اس میں پانی بڑا گہرا ہے۔ اس لیے مجھے آگے بڑھتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔

اونٹ نے کہا ٹھہرو! میں نالہ کے اندر جا کر دیکھتا ہوں کہ پانی کی گہرائی کتنی ہے، چنانچہ اونٹ نے نالہ میں گھس کر دیکھا تو پانی اس کے گھٹنوں تک تھا۔

باہر نکل کر چوہے سے کہنے لگا اے میرے رہبر! گھبرا مت، پانی صرف گھٹنوں تک ہے بغیر کسی خوف کے نالہ میں کود پڑو۔

چوہے نے کہا واہ جناب واہ! پانی اگر گھٹنوں تک ہے تو وہ آپ کے گھٹنوں تک ہے، میرے تو سر سے بھی کہیں اوپر تک پہنچ جائے گا، میں باز آیا آگے بڑھنے سے۔

اونٹ نے کہا تو اے چوہے! کیا اسی بل بوتے پر میری نکیل تھامی تھی اور میرے رہبر بنے تھے، چل ہٹ یہاں سے! تیری کیا مجال جو اس نالہ کو عبور کر سکے،

اسے عبور کرنا میرا کام ہے۔ نہ صرف یہ کہ میں خود ہی عبور کر سکتا ہوں بلکہ تیرے جیسے سینکڑوں چوہوں کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر نالہ عبور کروا سکتا ہوں۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... ایسے رہبر جو ہرگز رہبری کے لائق نہ ہوں، گر کسی قوم کے رہبر بن جائیں تو اُس قوم کا خدا ہی محافظ۔

رہبری اور پیشوائی کا جسے شوق ہو اسے رہبری کے آداب و فرائض بھی نبھانے چاہییں۔ چوہے کی طرح ایسا نہ ہونا چاہیے کہ مشکل وقت آجائے تو رہبر صاحب ٹھٹک کر رہ جائیں اور قوم سے کہنے لگیں کہ میں آگے جانے سے رہا تم جانو اور تمہارا کام۔

آج کل رہبری اور لیڈری کا شوق تو عام ہے اور قوم کے خادم ہونے کا کئی لوگ اعلان بھی کرتے ہیں لیکن قوم کی رہبری کرنا آسان نہیں۔

لیڈر بننے کے لیے پہلے فنا فی القوم ہونا ضروری ہے۔ جو لوگ ابتدا میں اچھل اچھل کر خدمتِ قوم کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کی مثال فوارے کی ہے جو اچھلتا بہت ہے لیکن آخر کار بیٹھ جاتا ہے، اچھلنے کے بعد سر کے بل نیچے گر جاتا ہے۔

سچے رہبر و لیڈر کی مثال چشمے کی ہے جو پتھروں کو شق کرتا ہوا سرنگوں ہو کر ہر پتھر کے قدم چھوتا ہوا اور سر جھکائے خاک پر چلتا ہے اور اپنے فیض سے لوگوں کو نہال کر دیتا ہے سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ (قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے) کے مطابق لیڈر قوم کا خادم ہوتا ہے نہ کہ مخدوم۔

وزیر کا ترجمہ ہے بوجھ اٹھانے والا یعنی وزیر کے کاندھے پر قوم کا بوجھ آپڑتا ہے لیکن اس الٹے زمانہ میں وزیر وہ ہے جو قوم پر بوجھ ڈالے۔

سلیمان علیہ السلام کو جب ایک بے مثال حکومت ملی تو سارے پرند و چرند اور دیگر

جانور بھی مبارک دینے آئے لیکن چیونٹی مبارک دینے نہ آئی۔

سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کو طلب فرمایا اور پوچھا تم مجھے مبارک دینے کیوں نہ آئی؟

چیونٹی نے جواب دیا حضور! جب سے میں نے سنا ہے کہ حکومت کا بوجھ آپ پر آپڑا ہے، میں تو اس وقت سے رو رہی ہوں اور پریشان ہوں کہ یہ آپ کس مشکل میں پھنس گئے۔ اب تو آپ کو دن رات اپنی رعایا کی خبر رکھنی پڑے گی، ان کے دکھ درد کا تدارک آپ کو کرنا ہوگا، کوئی بھوکا رہ گیا پرسش آپ سے ہوگی، کسی پر ظلم ہوا تو ظالم سے آپ کو نپٹنا پڑے گا، الغرض ساری رعایا کا خیال رکھنا آپ پر لازم ہوگیا ہے۔ میں تو دعا کر رہی ہوں کہ الٰہی! میرے آقا کی مشکلات میں مدد کرنا۔

چیونٹی کی یہ بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام رونے لگے اور فرمایا سچی بات تم ہی نے کی ہے۔

یہ نفوسِ قدسیہ اقتدار ملنے پر روتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں رات بھر مدینہ منورہ کا پہرہ دیتے اور دن بھر خدمتِ خلق میں رہتے اور فرمایا کرتے تھے میں اگر رات کو سو رہوں تو خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا اور اگر دن کو سو جاؤں تو رعایا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

ایک مرتبہ احباب نے عرض کیا حضور اپنی حفاظت کے لیے کچھ لوگ ساتھ رکھیں، فرمایا رعایا کا یہ فرض نہیں کہ وہ حاکم کی حفاظت کرے۔ یہ تھے سچے رہبر مگر آج!

❖ ...... اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل جبکہ قرآنِ پاک سے شغف نہیں رہا، بعض چوہے جو یورپ کے بل سے نکل کر پھیل رہے ہیں ان میں سے کوئی چوہا نکلتا ہے تو قرآن پاک کے آگے لگ کر اپنے آپ کو مجدد و مفسر سمجھ کر قرآن کو اپنے پیچھے چلانا چاہتا ہے اور قرآنِ پاک کی تفسیر نئے رنگ میں پیش

کرنے لگتا ہے مگر چلتے چلتے جب معجزات کا دریا سامنے دکھائی دینے لگتا ہے تو یورپین چوہا ٹھٹک کر رہ جاتا ہے اور آگے نہیں بڑھ سکتا۔

اس وقت قرآن پاک کا گویا یہ ارشاد ہوتا ہے کہ آگے بڑھو! اس معجزات کے دریا سے گزرنا کوئی مشکل نہیں، لیکن چوہا کہتا ہے جناب! آپ کے لیے تو مشکل نہیں لیکن میرا تو بیڑا غرق ہو جائے گا۔

یہاں پھر قرآن کا جواب یہ ہوتا ہے کہ ارے کم بخت! کیا اسی بل بوتے پر میرے آگے لگ گئے تھے؟ آؤ اس معجزات کے دریا سے گزرنا ہے تو میرا سہارا لو اور میرا دامن پکڑو۔ میں تم جیسے ہزاروں کو اس دریا سے پار کر سکتا ہوں۔ پار لگنا ہے تو میرے پیچھے چلو۔

❖ ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن پاک اس لیے نہیں آیا کہ ہم اس کے آگے لگ کر اپنی من مانی تفسیر کرنے لگیں بلکہ وہ اس لیے آیا ہے کہ ہم اس کے پیچھے لگیں اور اس کے سہارے معجزات و مشکلات کے دریا عبور کرتے چلیں مگر آہ!!

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

خچر اور اونٹ کا واقعہ

ایک بار ایک خچر نے اونٹ سے پوچھا کہ میں کوہ وصحرا اور کوچہ و بازار میں منہ کے بل گر پڑتا ہوں، بالخصوص چڑھائی سے اترائی کی طرف چلتے ہوئے اس بری

طرح گرتا ہوں کہ لہولہان ہوجاتا ہوں اور مجھ پر اگر سامان لادا جائے تو کرایہ دار سے مار بھی کھاتا ہوں۔ مگر اے اونٹ! تو کبھی نہیں گرا، حالانکہ میں بھی چوپایہ اور تو بھی چوپایہ۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اونٹ نے خچر کو جواب دیا۔

سر بلندم من دو چشم من بلند
بنیشِ عالی امان است از گزند

اے خچر! میرا سر بلند اور نظر عالی ہے۔ میں اپنی بلند نظری سے ہر اونچی نیچی راہ کو دیکھ لیتا ہوں اور دور تک کا راستہ میری نظر میں ہوتا ہے اور دوسری بات یہ ہے خچر!۔

زانکہ من ہستم ز اولادِ حلال
نے ز اولادِ زنا، اہل ضلال!

میں اولادِ حلال ہوں، خچر کی طرح حرامی نہیں ہوں۔

تو ز اولاد زنائی کے گماں!
تیرکش پرد چو کج باشد کماں

مگر تو اولادِ زنا ہے، پھر جب کمان ہی ٹیڑھی ہو تو تیر سیدھا کیسے جا سکتا ہے؟

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... خچر کا یہ سوال اونٹ سے ایسا سمجھیے جیسے کوئی بدکار کسی ولی سے پوچھے کہ میں تو گناہوں کی دنیا میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہوں اور لعن وطعن کی مار بھی کھاتا ہوں مگر تم نے کبھی ایسی ٹھوکر نہیں کھائی حالانکہ تم بھی میری مثل انسان ہو۔

اس کے جواب میں ولی اللہ کا جواب یہی ہے کہ اے بدکار! ہمیں اللہ نے سربلندی عطا فرمائی ہے اور ہماری نظریں عالی ہیں اتنی عالی کہ مولانا رومی ہی کے بقول۔

آنچہ خواہد بود بعدِ شصت سال

داند اندر حال آں نیکو خصال

ترجمہ: ساٹھ سال کے بعد بھی جو ہونے والا ہو اللہ والوں کی نظریں وہاں تک جا پہنچتی ہیں، معلوم ہوا کہ ان اللہ والوں کی برابری کا کبھی دَم نہ بھرنا چاہیے اور انہیں اپنی مثل نہ سمجھنا چاہیے، کیونکہ یہ اللہ والے تو عالی نظر ہیں، پھر جو خچر کی طرح پست نظر ہو وہ ان کی مثل کیسے ہو سکتا ہے؟

❖ ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اولیاءِ کرام اتنے بلند نظر ہوتے ہیں تو پھر انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے بھی سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کی وسعت و بلندی کا کیا عالم ہوگا! چنانچہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ اللہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا

وَاِلٰی مَا ھُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ

(المواھب اللدنیہ ص ۱۹۳، ج ۲)

یعنی اللہ نے ساری دنیا میرے سامنے کر دی ہے اور میں ساری دنیا کو اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے ان سب واقعات کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح اس اپنی ہتھیلی کو۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ میں مشرق و مغرب کو دیکھ رہا ہوں اور تیسری میں فرمایا میں یہاں فرش پر رہ کر جنت اور حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔

یہ علم اللہ تعالیٰ کی عطا اور عنایت ہے۔ باقی علمِ غیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے۔

یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی نظری پھر جو عینک لگائے بغیر اپنے گھر کی راہ بھی نہ دیکھ سکے وہ ان کی مثل بن کر گمراہ ہوا یا نہ؟

اونٹ نے خچر کو جو دوسرا جواب دیا تھا اُسے بھی قرآن کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے:

ایک کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت گستاخ تھا اس کے لیے خدا نے فرمایا ہے:

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿۱۲﴾
عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ﴿۱۳﴾

بہت طعنے دینے والا بہت اِدھر اُدھر لگاتار پھرنے والا، حد سے بڑھنے والا، گنہگار، اس سب پر طرہ یہ کہ حرامی۔

مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اس کافر کا نام ولید بن مغیرہ تھا اور اس نے ماں سے پوچھا تو ماں نے بھی اقرار کیا کہ تو حرامی ہے۔

لہٰذا مسلمانو! ان مقربین حق کو کبھی اپنی مثل نہ جانو۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر فرمایا:

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شَیر و شِیر

مطلب یہ ہے کہ نیک لوگوں کو اپنے اوپر قیاس مت کرو۔ دونوں میں بڑا فرق ہے جیسے شَیر اور شِیر لکھنے میں ایک جیسے ہیں مگر مطلب میں بہت بڑا فرق ہے۔

مینڈھا، گائے اور اونٹ کا واقعہ

ایک دفعہ مینڈھا، گائے اور اونٹ اکٹھے کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں انہیں گھاس کا ایک گٹھا نظر آیا۔

مینڈھے نے کہا ہم تینوں بھوکے ہیں اگر اس گٹھے کو ہم نے تینوں پر تقسیم کر لیا تو ہم میں سے کسی کا پیٹ نہیں بھرے گا، بہتر یہ ہے کہ ہم میں سے جس کی عمر سب

سے زیادہ ہو وہ اکیلا ہی اس کو کھالے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ چھوٹے بڑوں کو مقدم رکھیں۔

اب اے دوستو! آؤ ہم اپنی اپنی عمر بتائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہم میں سب سے بوڑھا کون ہے؟

گائے اور اونٹ نے کہا: سب سے پہلے تو ہی اپنی عمر بتا۔

مینڈھا بولا: میری عمر کا کیا پوچھتے ہو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرتے وقت جو مینڈھا حضرت جبریل علیہ السلام لائے تھے اور بجائے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وہ مینڈھا ذبح ہو گیا تھا، میں اس مینڈھے کا بڑا بھائی ہوں۔

گائے بولی کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو سب سے پہلے جو آپ نے ہل چلایا، ہل کے آگے جو جوڑی تھی اس جوڑی میں سے ایک میں ہوں۔

اونٹ نے ان کی یہ لایعنی باتیں سنیں تو فوراً اپنی گردن جھکا کر گھاس کے گٹھے کو ہڑپ کر گیا، پھر کہنے لگا مجھے اپنا زمانہ پیدائش یاد رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ میرا جسم اور گردن اتنی بڑی ہے کہ بغیر کسی دلیل کے دیکھنے والا یہی کہے گا کہ سب سے بڑا میں ہوں۔ مینڈھا اور گائے منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور اونٹ نے اپنا پیٹ بھر لیا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... ایک منکر حدیث، ایک بے ادب منکر فقہ اور ایک باادب اہل سنت کو اسلامی گٹھا نظر آجائے اور ان میں یہ بحث چل نکلے کہ اس قدیمی دین کا جو داعی ہو وہ اس اسلامی گٹھے کو اٹھا لے یعنی صحیح معنوں میں وہی مسلمان ہوگا۔

بے ادب منکرِ فقہ بولا: میں فقہ سے پہلے کی جو حدیث ہے اس سے تعلق رکھتا ہوں، لہٰذا یہ گٹھا میرا۔

مسٹر منکرِ حدیث بولا میں حدیث سے بھی پہلے جو قرآن ہے اس سے تعلق رکھتا ہوں، لہٰذا یہ گٹھا میرا۔

باادب اہل سنت نے اسلامی گٹھے کے سامنے فوراً اپنا سرِ ادب جھکایا اور اسے چوم کر اٹھالیا اور کہا: میری اسلامی وضع قطع، ادب نبوی اور تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام سے محبت و عقیدت اتنی مشہور ہے کہ دیکھنے والا بغیر کسی دلیل کے یہی کہے گا کہ صحیح معنوں میں مسلمان یہی ہے۔

بھیڑ اور بھیڑیا کا واقعہ

ایک بھیڑ چھت پر کھڑی تھی۔ اس نے نیچے گلی میں ایک بھیڑیے کو جاتے ہوئے دیکھا۔ بھیڑ نے چھت پر سے بھیڑیے کو گالیاں دینی شروع کیں، بھیڑیے نے اوپر دیکھا تو بھیڑ نظر آئی جو اسے مسلسل گالیاں دے رہی تھی۔ بھیڑیا دم بخود وہاں کھڑا رہا اور گالیاں سنتا رہے۔

بھیڑیے کے ساتھ ایک لومڑی بھی تھی، لومڑی نے بھیڑیے سے کہا: جناب! دیکھا آپ نے بھیڑ آپ کو کس قدر گالیاں دے رہی ہے۔

بھیڑیے نے کہا بھیڑ کی کیا طاقت کہ وہ مجھے گالیاں دے یہ تو چھت گالیاں دے رہی ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اقتدار کی چھت پر چڑھ کر مولوی کو گالیاں دینا بھی اس قصہ کے مطابق ہے۔

اگر کوئی ملحد اقتدار کی چھت پر کھڑے ہو کر مولوی کو گالیاں دیتا ہے تو یہ گالیاں ملحد نہیں دیتا بلکہ اقتدار کی چھت گالیاں دیتی ہے۔

ایک لوہار اور اس کے کتے کا واقعہ

ایک گاؤں میں ایک لوہار تھا، جس نے ایک کتا بھی پال رکھا تھا۔ لوہار کا کام دن بھر جاری رہتا اور ہر وقت ہتھوڑا بجتا تھا جس کی آواز دور دور تک جاتی تھی۔

لوہار کا کتا دکان میں سارا دن سویا رہتا تھا۔ ہتھوڑے کی تیز آواز میں بھی اس کی آنکھ نہ کھلتی تھی، لیکن لوہار جس وقت کھانا کھانے بیٹھتا تو کھانا کھاتے وقت لوہار کے منہ کی چپ چپ کی آواز (لقمہ چبانے کی آواز) سن کر کتا فوراً جاگ اٹھتا۔

لوہار نے ایک روز کتے سے کہا: کمال ہے کہ میرے ہتھوڑے کی آواز تو محلہ بھر کے لوگ سن لیتے ہیں لیکن تو نہیں سنتا، اور کھاتے وقت میرے منہ کی آواز تجھے فوراً سنائی دینے لگتی ہے۔ یہ تو بتا کہ ہتھوڑے کی آواز تو کیوں نہیں سنتا اور لقمہ کی آواز تو کیسے سن لیتا ہے؟

کتے نے جواب دیا، یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے، اپنے مطلب کی آواز تو ہر کوئی سن لیتا ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

آج کل کے مسلمان قرآن وحدیث، حمد ونعت کی آواز پر تو سوئے رہتے ہیں، لیکن جھوٹے افسانوں فلمی غزلوں اور گانوں پر ان کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

نماز فجر کی اذان سن کر تو آنکھ نہیں کھلتی مگر بیڈ ٹی کے چائے کے کپ کی آواز سے فوراً آنکھ کھل جاتی ہے۔

کہیں سفر ہو تو تیاری کے لیے، ایئرپورٹ ریلوے اسٹیشن جانے کے لیے فوراً کھل جاتی ہے۔

رمضان شریف کے مہینہ میں دن کو روزہ رکھنے کا حکم تو نہیں سنتے، لیکن سحری کے وقت پراٹھے پکنے کی آواز سن کر کھانے کے لیے جاگ پڑتے ہیں۔ سارا دن روزہ تو رکھا نہیں مگر افطاری کے دستر خوان پر سب سے پہلے براجمان ہو جاتے ہیں۔

لیلیٰ کی گلی کا کتا

ایک دفعہ مجنوں ایک کتے کو دیکھتے ہی اس کے قدموں پر گر پڑا۔ وہ کتے کے پاؤں چومنے لگا۔

ایک شخص نے یہ منظر دیکھ کر کہا: ارے مجنوں! یہ کیا کر رہے ہو؟ تمہیں معلوم نہیں کہ کتا ناپاک ہے، مردار خور ہے ہوش کرو!

مجنوں نے جواب دیا: تمہیں کیا معلوم کہ یہ کتا کون ہے اور میری نظر میں اس کا کیا مقام ہے!!

اے اعتراض کرنے والے یہ کتا کوچۂ لیلیٰ کا پاسبان ہے۔ میں تو اس کی قسمت پر رشک کرتا ہوں کہ یہ لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے۔

(۱) آن سگے کہ گشت در کویش مقیم
خاک پایش بہ ز شیرانِ عظیم!

(۲) آں سگے کہ باشد اندر کوئے او
من بہ شیراں کے دہم یک موئے او
(۳) آں کہ شیراں مر سگانش را غلام
گفتن امکاں نیست خاموش! والسلام

(۱)...... اس کی گلی میں رہنے والے کتے کے پاؤں کی خاک بڑے بڑے شیروں سے بہتر ہے۔

(۲)...... اس کی گلی میں رہنے والے کتے کا ایک بال بھی میں شیروں کے عوض نہیں دیتا۔

(۳)...... میرا محبوب وہ ہے کہ جس کے کتوں کے غلام شیر ہیں۔ باتیں کرنے کا امکان نہیں، لہٰذا (اے معترض) خاموش رہ والسلام۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

مجنوں کو لیلیٰ کا عشق تھا اور ہر اس چیز سے جسے کچھ بھی نسبت لیلیٰ سے حاصل ہوتی محبت کرتا تھا اور عشق و محبت سے بے بہرہ لوگ اس کی اس حرکت پر حیران ہوتے اور اسے مجنوں کہتے تھے۔

مسلمان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت ہے اور وہ ہر اس چیز سے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ بھی نسبت حاصل ہو محبت رکھتے ہیں۔

صحابہ کرام، اہل بیت عظام، اولیاء کرام و علماء عظام سے مسلمان اسی لیے محبت وعقیدت رکھتا ہے کیونکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص نسبت حاصل ہے۔

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ۔

سگت را کاش جامی نام بودے

یعنی یارسول اللہ! اے کاش تیرے کتے کا نام جامی ہوتا۔

اس عقیدت ومحبت کو دیکھ کر حضور کی محبت سے بے بہرہ لوگ کہتے ہیں یہ کیا کررہے ہو؟ اور کیا لکھ رہے ہو؟ اور ان محبت کرنے والوں کو مجنوں ومشرک کہنے لگتے ہیں لیکن ان محبین کا جواب یہی ہوتا ہے کہ محبوبِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گلی کا کتا بھی بڑی شان رکھتا ہے؟

ہمارے نزدیک اس شہر کے کتے بھی بڑے بڑے ان خشک لوگوں سے جن کے دل میں حضور کی محبت نہیں بہتر ہیں۔

اس پیاری گلی کے کتے کا ایک بال بھی ان محبت سے خالی لوگوں سے زیادہ عظمت رکھتا ہے اور جو بڑے بڑے اولیاء کرام ہیں وہ ان کتوں کے بھی غلام ہیں۔

اے محبت سے بے بہرہ لوگو! تم یہ بات نہیں سمجھ سکتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرماتے تو آپ کے وضو کا پانی ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں پر مل لیتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو فرماتے لِحُبِّ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۶) یعنی یارسول اللہ ہم آپ کی محبت سے آپ کے جسم سے مس کیا ہوا پانی اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ معظّمہ کی قسم فرمائی ہے اور فرمایا ہے لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ میں اس شہر کی قسم فرماتا ہوں وَاَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ اور یہ قسم صرف اس لیے فرماتا ہوں کہ اس شہر میں تم رہتے ہو اور اسے تمہارے قدموں سے نسبت حاصل

ہے۔ محبت کے ان مظاہروں کا محبت سے بے بہرہ لوگوں کو کیا پتہ۔

❖ ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ داڑھی رکھنے کو بھی حضور سے نسبت حاصل ہے، لہٰذا محبت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ مسلمان داڑھی رکھیں۔ ان سب باتوں کا مظاہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کراتی ہے اور محبت سے محروم لوگوں سے ان باتوں کی امید کہاں؟

کمہار کا گدھا اور شاہی گھوڑے کا واقعہ

ایک غریب کمہار کا گدھا بہت کمزور تھا خوراک کم اور کام زیادہ کی وجہ سے اس کی ہڈیاں نکل آئی تھیں۔ چلتے ہوئے کمزوری کے باعث ہر قدم پر ٹھوکر کھاتا اور گر پڑتا تھا۔

شاہی اصطبل کے محافظ نے ایک روز اس گدھے کو دیکھا تو ترس کھا کر کمہار سے کہا کہ تم یہ گدھا دو چار روز کے لیے میرے ساتھ اصطبل میں بھیج دو۔ وہاں گھوڑوں کی عمدہ خوراک اور شاہی خدمات پا کر یہ موٹا تازہ اور طاقتور ہو جائے گا۔

کمہار نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنا گدھا شاہی اصطبل میں بھیج دیا۔

گدھا جب شاہی اصطبل میں پہنچا تو وہاں کی ٹھاٹھ اور گھوڑوں کے لیے شاہی انتظامات دیکھ کر اس کی تو آنکھیں کھل گئیں۔

کئی سائیس گھوڑوں کے پاس کھڑے تھے جو وقت پر انہیں گھاس دیتے تھے اور صبح و شام ان کا بدن ملتے تھے۔ ہر روز بھنگی آ کر ان کی لید و پیشاب کو اٹھا کر فرش صاف ستھرا رکھتے تھے۔ دن رات ان کی خبر گیری کی جاتی تھی، وہ اتنے موٹے تازے اور خوشحال تھے کہ گدھے کے وہم میں بھی کبھی ایسی خوشحالی نہ آئی تھی۔

یہ حال دیکھ کر گدھے نے اللہ سے عرض کی الٰہی! ہے تو بے ادبی لیکن میں پوچھتا ہوں کہ پیٹ تو نے گھوڑوں کو بھی دیا ہے اور مجھے بھی، لیکن میں تو بھوک سے مرتا رہا اور کمزور ہو گیا اور یہ گھوڑے طرح طرح کی شاہی غذاؤں سے موٹے تازے ہو گئے ہیں، اس کا سبب کیا ہے؟

اتفاقاً دوسرے ہی روز جنگ چھڑ گئی اور یہ سارے گھوڑے میدان جنگ میں بھیج دیے گئے۔

دوسرے روز جب یہ گھوڑے واپس اصطبل میں آئے، گدھے نے دیکھا کہ سب کا برا حال ہو رہا تھا، سب لہولہان تھے۔ ان کے جسم میں تیر ابھی تک پیوست تھے۔ خون ان کا بند ہی نہیں ہو رہا تھا۔

معالج آئے گھوڑوں کو لٹا کر تیر نکالے گئے۔ زخموں پر پٹیاں باندھی گئیں اور وہ سب گھوڑے تکلیف سے بڑے بے چین نظر آنے لگے۔

گدھے نے یہ منظر دیکھا تو سو بار توبہ کر کے اللہ سے کہنے لگا الٰہی! میرے کل کے شکوہ کو معاف فرما۔ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ میری غلط فہمی تھی۔

الٰہی! میری خطا معاف کر اور مجھے اس اصطبل سے جلدی نکال۔ اس اصطبل سے مجھے اپنے کمہار کا گھر سو درجہ اچھا ہے۔

مجھے کوڑوں پر چرنا اور بھوک سے مرنا منظور ہے مگر یہاں رہنا منظور نہیں۔ اس شاہی غذا سے گھر کی روکھی سوکھی اچھی۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

خدا جس حال میں رکھے اس پر قناعت کیجیے اس میں بھی بڑی حکمتیں ہوتی ہیں جن کا علم ہمیں نہیں ہوتا۔

اگر آپ غریب ہیں تو کسی امیر کو دیکھ کر خدا کا شکوہ ہرگز نہ کیجیے۔ اگر غور کریں تو غریب ان امیروں سے سو درجہ اچھے ہیں۔

غریب دن بھر محنت کرتا ہے، دو ٹائم بھوک کے ساتھ سوکھی روٹی بھی کھائے تو لذت پاتا ہے اور رات کو میٹھی نیند سوتا ہے۔

امیر دن میں کئی بار کھاتا ہے لیکن کھا کھا کر معدے کا بیڑہ غرق کر چکا ہوتا ہے۔ مرغ مسلم بھی کھائے تو لذت نہیں پاتا بلکہ بعض اوقات ایسے امراض میں گھر جاتا ہے کہ ڈاکٹر اسے منع کر دیتا ہے کہ یہ بھی نہ کھانا اور وہ بھی نہ کھانا اور امیر بے چارہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کھانے سے محروم رہ جاتا ہے، رات کو سو بھی نہیں سکتا۔

یہ نئی نئی بیماریاں بھی ان جدت پسند امیروں کے لیے ہیں۔ ہارٹ اگر فیل ہوتے ہیں تو امیروں کے اکثر، کسی غریب کا ہارٹ فیل کم ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ ہسپتالوں میں جایئے اور دیکھیے یہ ہسپتال امیروں کے دم قدم سے آباد ہیں، محنت کش غریب کے نزدیک ایسی بیماریاں آتی ہی نہیں۔

ایک دہقانی کا لطیفہ پڑھا تھا کہ اپنی زمین میں ہل چلا رہا تھا کہ اسے بخار ہو گیا اسی وقت ننگے بدن زمین پر لیٹنے لگا۔ ادھر ادھر دو بار کروٹ بدل کر کہنے لگا ارے بخار! میرے پاس آکر تجھے کیا ملے گا؟ میرے پاس نہ کوئی لچک دار پلنگ ہے نہ کوئی نرم بستر جو اس پلنگ پر بچھا کر تجھے آرام پہنچاؤں۔ نہ میرے پاس کوئی پیسہ ہے کہ کوئی مزے دار دوائی یا سیون اپ کی بوتل پلاؤں۔ بے وقوف اگر خدمت کرانی ہے اور اس طرح کے نخرے دکھا کر کچھ کھانا پینا ہے تو کسی امیر کے گھر کا رخ کر، یہاں تو یہی زمین کے ڈھیلوں پر کروٹیں ہی تیرے لیے ہیں۔

دو کروٹیں لیں تو پسینہ آیا اور اس کا بخار اتر گیا، شام کو گھر لوٹا تو اس کے پڑوسی

امیر کو بخار ہو گیا۔ اس نے سنا تو کہنے لگا خدا کی قسم! یہ بخار میں نے ہی بھیجا ہے الغرض! غریب آدمی ہزار درجہ امیر سے اچھا ہے۔

قیامت کے روز بھی زیادہ حساب امیروں ہی کو دینا پڑے گا۔ حدیث پاک کے مطابق امیروں سے پہلے غریب جنت میں پہنچیں گے۔ امیر اپنی بے شمار دولت کا حساب ہی دیتا ہو گا کہ غریب اپنی چادر جھاڑ کر جنت میں جا پہنچیں گے۔

ایک امیر نے فخریہ لہجہ میں ایک غریب سے کہا جو درجہ ہمارا ہے تمہارا نہیں، غریب نے پوچھا وہ کیسے؟ امیر نے کہا دیکھو خدا ہم سے سو روپے میں سے اڑھائی روپیہ زکوۃ کے طلب فرماتا ہے۔

غریب نے کہا تمہاری بھول ہے، درجہ ہمارا بڑا ہے۔ اس لیے کہ خدا جو تم سے سو میں سے اڑھائی طلب فرماتا ہے۔ یہ بھی تو دیکھو کہ طلب فرماتا کن کے لیے ہے؟ ظاہر ہے کہ ہم غریبوں کے لیے، قرض تو دوست دشمن دونوں سے لیا جا سکتا ہے مگر لیا ہمیشہ دوستوں کے واسطے ہی جاتا ہے۔

اب بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ جو شخص جتنا بڑا امیر ہے اتنا ہی زیادہ پریشانیوں کا شکار ہے اور جو جتنا غریب ہے اتنا ہی بے فکر ہے۔

پانچ پانچ سو کے نوٹ بند ہوئے پھر دس دس اور پانچ پانچ کے تو جتنی تکلیف امیروں کو ہوئی سب جانتے ہیں کہ نوٹوں کے ساتھ ساتھ کئی امیروں کے دل بھی بند ہو گئے اور غریب ان تفکرات سے آزاد ہی رہا، خوب کہا شاعر نے کہ۔

مجرد سب سے اعلیٰ ہے
نہ جورو ہے نہ سالا ہے

اور خوب کہا ہے۔

ما ہیچ نداریم غمِ ہیچ نداریم
دستار نداریم غمِ پیچ نداریم

مطلب یہ ہے کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، لہٰذا کسی چیز کو کوئی غم بھی نہیں ہے۔ نہ میرے پاس پگڑی ہے اور نہ ہی مجھے اس کے پیچ بنانے کی فکر ہے۔

اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض لوگ دوسرے ملکوں کی امارت و برائے نام مساوات کے گرویدہ نظر آتے ہیں اور اکثر کہتے رہتے ہیں، وہاں بڑے مزے اور عیش ہیں، کھانے پینے کی ہر چیز اور پہننے کے لیے کپڑا ہر ایک کو ملتا ہے مگر انہیں اصل حقیقت کا پتا وہاں پہنچ کر چلتا ہے کہ ہر ایک سے گدھوں کی طرح کام لیا جاتا ہے۔

دن بھر محنت و مشقت کرا کے دو وقت کی روٹی انہیں دے دی جاتی ہے، اصل دولت خزانے میں چلی جاتی ہے اور لوگ جانوروں کی طرح دن بھر محنت کر کے حکومت کے چند لقموں سے پیٹ بھر کر سو جاتے ہیں۔ دوسرے روز پھر وہی چکر۔

ایسے افراد کو اپنے وطن ہی کی طرف دیکھنا اور قناعت کرنا چاہیے ہم دیگر برائے نام ترقی یافتہ ممالک سے ہزار درجہ اچھے ہیں۔

ایک شیر اور دو بیلوں کا واقعہ

ایک جنگل میں دو بیل اکٹھے رہتے تھے۔ جنگل کے شیر نے کئی بار ان پر حملہ کیا لیکن دونوں بیل اکٹھے ہو کر شیر کے مقابلے میں آجاتے اور اپنے سینگوں سے زوردار حملے کر کے شیر کو بھگا دیتے تھے۔ شیر جب بھی حملہ کرتا کامیاب نہ ہوتا اور مایوس ہو کر خالی لوٹتا۔

ایک روز شیر نے سوچا کہ یہ بیل زور کے بل بوتے تو قابو نہیں آسکے۔ اب کوئی تدبیر ایسی کروں جس سے میں کامیاب ہوسکوں۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ ان دونوں بیلوں میں کسی طرح پھوٹ پیدا کروں اور ایک کو دوسرے سے الگ کر کے حملہ کروں، اس طرح کامیاب ہوسکوں گا۔

چنانچہ وہ ایک روز موقعہ پا کر ایک بیل کے پاس آیا اور اس سے کہنے لگا: یقین کرو مجھے تم سے کوئی عداوت نہیں، مجھے تو تمہارے ساتھی سے دشمنی ہے۔ میں نے جب بھی حملہ کیا اس پر کیا مگر تم خواہ مخواہ اس کے ساتھ مل کر اپنی جان بھی خطرے میں ڈال لیتے ہو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں، تم زندہ رہو، کھاؤ پیو، میں خوش ہوں، ہاں تمہارے ساتھی کو میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔

شیر کی یہ باتیں سن کر بیل اس کے دھوکے میں آ گیا۔ اس نے وعدہ کرلیا کہ میں اب اپنے ساتھی کے ساتھ ہرگز نہ رہوں گا۔

شیر نے اپنی سیاست سے ان میں پھوٹ پیدا کردی تو اسی روز اس بیل پر اس نے حملہ کر کے اسے دبوچ لیا اور کھا گیا دوسرے روز پھر اس نے دوسرے بیل پر بھی حملہ کر دیا۔ چونکہ وہ بھی اکیلا رہ گیا تھا اس لیے اسے بھی شیر نے دبوچ لیا اور وہ بھی ختم ہو گیا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

دوست کے بارے میں دشمن کی بات ہرگز نہ سننی چاہیے، دشمن اس دوستی کو مٹا کر اپنا مطلب پورا کرنا چاہتا ہے۔

علمائے کرام اور اللہ والے صحیح معنی میں اپنی قوم کے دوست ہیں۔ مسلمانوں کے متاعِ ایمان پر جب بھی کوئی دشمنِ دین حملہ کرتا ہے تو مسلمانوں کا ایمان بچانے کے لیے علمائے کرام سینہ سپر ہو جاتے ہیں اور دشمن اپنے منصوبے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

ایسے دشمن پھر یہ چال چلتے ہیں کہ مسلمانوں کو علمائے کرام سے بدظن کریں اور انہیں علماء سے دور کر دیں، تا کہ ان مسلمانوں پر حملہ آسان ہو جائے اور یہ قابو میں آجائیں۔ چنانچہ دشمن کی یہ چال آج کل چل چکی ہے اور دشمن کی اس چال میں آجانے والے لوگ علمائے کرام کے خلاف بولتے اور لکھتے رہتے ہیں۔

کوئی کہتا ہے یہ مولوی کا مذہب غلط، کوئی کہتا ہے یہ حلال حرام کی طویل لسٹ مولوی کی اپنی ایجاد ہے، کوئی کہتا ہے یہ ملا ازم ترقی کی راہ کا روڑہ ہے، اور کوئی کہتا ہے مولوی کو مٹا دو۔

ایسے سب لوگ دشمن کے دھوکے میں آچکے ہیں اور دشمن اپنے شکار کی خاطر علمائے کرام سے الگ کر کے ان پر بھرپور حملہ کر کے ان کے متاعِ ایمان کو لوٹ چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ارکانِ اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں، مسلمان کہلانا بھی پسند نہیں کرتے۔ ان کی سیرت وصورت پر بھی دشمن قابو پا چکا ہے۔ گویا دشمن نے علمائے کرام سے انہیں الگ کر کے ان کو اپنا شکار کر لیا ہے۔

ایک اعرابی اور اس کا کتا

ایک دیہاتی اپنے کتے کو ساتھ لیے کسی سفر میں گیا۔ راستے میں کتا نڈھال ہو کر گر پڑا اور مرنے لگا۔

ایک شخص وہاں سے گزرا۔ اس نے دیہاتی کو روتے ہوئے دیکھا۔ اس نے رونے کا سبب پوچھا تو وہ کتے کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا بھائی یہ میرا کتا مر رہا ہے۔ یہ میرا بڑا وفادار تھا۔ دن کو میرے لیے شکار لاتا تھا، رات کو میرے گھر کا پہرا

دیتا تھا۔ اتنا بہادر اور دلیر تھا گویا کتا نہیں شیر تھا۔ افسوس! اب یہ قریب المرگ ہے۔ کتے کو اس حال میں دیکھ کر میں رو رہا ہوں۔

اس شخص نے پوچھا کیا زخمی تھا یا بیمار تھا۔ اسے ہوا کیا؟

بولا: بالکل تندرست اسے کوئی مرض نہ تھا، ہاں دو دن سے یہ بھوکا تھا۔ بھوک سے نڈھال ہو کر گر گیا ہے اور مر رہا ہے۔

اس شخص نے دیہاتی کے پاس ایک گٹھڑی دیکھی۔ پوچھا اس میں کیا ہے؟

دیہاتی بولا: میرا یہ زادِ راہ ہے۔ اس میں حلوہ و نان ہے۔ گوشت اور کھانے پینے کا دوسرا سامان ہے۔

اس نے کہا اے نادان! اس میں سے اسے کچھ کیوں نہیں دیتے تا کہ یہ بھوکا نہ رہے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے تو دریا بہا رہے ہو اور روٹی کا ایک ٹکڑا اسے نہیں دیتے۔

دیہاتی نے جواب دیا: آنسو بہانے میں تو کچھ خرچ نہیں ہوتا مگر روٹی کھلانے میں خرچ ہوتا ہے، چونکہ میں سفر میں ہوں اس لیے مجھے پہلے اپنی جان بچانے کی فکر ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

آج کل ایسے مسلمان بھی نظر آتے ہیں جو آخرت کے خوف سے خوب روئیں گے، وعظ سنیں گے تو نعرے لگائیں گے، سبحان اللہ، جزاک اللہ کی آوازیں بلند کریں گے، لیکن اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے کی تلقین کی جائے تو پھر انہیں سانپ سونگھ جاتا ہے پھر نہیں بولتے۔ گویا ایسے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم سے نعرے لگوا لو، سبحان اللہ کہلوا لو اور جتنا چاہے رلا لو، مگر خدا کی راہ میں کچھ دینے سے بچا لو۔

ایسے لوگ اگر نذر مانتے ہیں تو نوافل، سو نفل، دو سو نفل لیکن راہ خدا میں خرچ کرنے کی ہرگز نہ مانیں گے۔ اس لیے کہ کہیں پیسے خرچ نہ ہو جائیں۔

دریا کے کنارے پر موجود ایک پیاسے شخص کا واقعہ

ایک دریا کے کنارے ایک پیاسا آدمی بیٹھا تھا اور دریا کے کنارے اور اس کے درمیان ایک بلند دیوار حائل تھی۔
یہ شخص پیاس کی وجہ سے پانی کے لیے بے قرار تھا اور پانی تک رسائی میں چونکہ یہ دیوار حائل اور مانع تھی اس شخص نے دیوار سے ایک اینٹ پانی میں پھینک دی۔
پانی کی آواز سے اس کو بہت مسرت اور تسلی ہوئی، پھر اس نے بار بار دیوار سے ایک ایک اینٹ نکال کر پانی میں ڈالنا شروع کر دی۔
پانی نے اس سے کہا: تم مجھے اینٹ سے کیوں مارتے ہو اس میں تمہارا کیا فائدہ؟
اس شخص نے جواب دیا کہ پہلا فائدہ پانی کی آواز سننا ہے کہ پیاسوں کے لیے یہ آواز بڑی تسلی کا سامان ہوتی ہے۔
دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اینٹوں کی کمی سے دیوار پست ہو رہی ہے اور جس قدر یہ نیچی ہوتی جا رہی ہے اسی قدر پانی سے قُرب بڑھتا جا رہا ہے۔ چنانچہ دیوار کی جدائی اور رکاوٹ کا دور ہونا پانی حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اس واقعہ سے سالکین یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت وقرب کے طلبگاروں کو یہ سبق ملتا ہے کہ ایک سالک اور طالب چونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی شدید پیاس میں مبتلا ہوتا ہے۔ نفس اور اس کی بُری خواہشات یعنی گناہوں کے سامنے دیوار کی طرح حائل ہوتی ہیں، نفس کی خواہشات کے آگے اللہ تعالیٰ

کے قرب کا دریا ہے۔ اب جو طالب نفس کو مٹانا شروع کرے گا یعنی ایک ایسی خواہش جو خلافِ شریعت ہو اس کو پورا نہ کرے۔ چنانچہ نفس کی وہ دیوار جو قربِ الٰہی سے رکاوٹ ہے اس کی ایک ایک خواہش کی اینٹ کو گرانا شروع کر دے تو اس کو قربِ الٰہی کا احساس بھی ہو گا۔ جس سے اس کے پیاسے دل کو تسلی اور اطمینان کی دولت حاصل ہو گی۔

❖ ...... دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ ایک ایک گناہ کی خواہش مٹانے سے جیسے جیسے نفس کی دیوار پست ہوتی جائے گی، ویسے ویسے اللہ تعالیٰ سے قرب بڑھتا جائے گا۔ یہاں تک کہ نفسانی خواہشات کی دیوار گرتے گرتے بالکل فنا ہو جائے گی یعنی تمام نفسانی خواہشات اللہ کی مرضی کے تابع ہو جائیں تو مکمل قربِ خداوندی حاصل ہو جائے گا اور ایسی پاکیزہ حیات حاصل ہو جائے گی جس پر دونوں جہان کی لذتیں قربان ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس سیاہ کار مرتب کو بھی عارفِ ربانی شیخ کامل کی صحبت اور دعا و توجہ کی برکت سے یہ دولت عطا فرما دیں، آمین!

ایک وعدہ خلاف شخص کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک شخص نے لوگوں کے راستے میں ایک کانٹے دار درخت لگایا۔ یہ درخت جس قدر بڑھتا گیا، مخلوق کے پاؤں اس کے کانٹوں کے زخم سے خون آلود ہونے لگے۔

لوگوں نے اس کو ملامت کی کہ یہ تم نے کیا حرکت کی! لیکن اس پر کچھ اثر نہ

ہوا سوائے اس کے کہ وہ وعدہ کر لیا کرتا کہ کل اس کو اکھاڑ دوں گا۔

ایک عرصہ تک اسی طرح ٹال مٹول کرتا رہا یہاں تک کہ اس کے فعل خبیث کی حاکمِ وقت کو اطلاع ہوئی۔

حاکمِ وقت نے بھی اس کو حکم دیا کہ اس کو اکھاڑ دے، پھر بھی یہ ظالم یہی کہتا رہا کہ کل اکھاڑ دوں گا اور ہر روز وعدہ کرنے والا کبھی بھی اپنے وعدہ پر پورا نہ اترا۔

اس تاخیر کا انجام یہ ہوا کہ یہ درخت مضبوط ہو گیا اور اس قدر جڑیں گہرائی میں چلی گئیں کہ اب اس کا اکھاڑنا مشکل ہو گیا اور یہ ظالم اس کے اکھاڑنے سے عاجز آ گیا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہماری بُری عادتیں اور گناہ کے خصائل ہیں کہ ان کی اصلاح میں جس قدر دیر کی جائے گی ان کی جڑیں مضبوط تر ہوتی جائیں گی، یہاں تک پھر گناہوں کی جڑیں مضبوط ہو جائیں گی اور نفس امارہ جوان، جبکہ انسان کے قُویٰ آخر کار بوڑھے ہو جائیں گے کہ پھر نفس کا مقابلہ مشکل ہو جائے گا۔

جس طرح سے وہ کانٹے دار درخت جوان ہوتا گیا اور اس کا اکھاڑنے والا بوڑھا اور کمزور ہوتا گیا۔ آخر کار وہ شخص اپنے بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے اس کے اکھاڑنے سے عاجز آ گیا۔

اپنے ہاتھ پر شیر کی تصویر بنوانے والے شخص کا واقعہ

قزوین شہر کے رہنے والوں میں یہ دستور تھا کہ ہر چھوٹا بڑا شخص اپنے جسم پر کوئی نہ کوئی تصویر بنوا لیتا تھا۔ ایک پہلوان تصویر بنوانے کے لیے مصور کے پاس آیا اور کہنے لگا: میرے جسم پر شیر کی تصویر بنا دے۔

مصور نے سوئی پکڑی اور اس کے جسم پر شیر کی تصویر بنانے کے لیے سوئی آگ میں گرم کر کے جسم میں چبھوئی، پہلوان کو تکلیف ہوئی تو پوچھنے لگا شیر کا کونسا عضو پہلے بنانے لگے ہو؟ مصور نے کہا: پہلے شیر کی دم بناؤں گا، پہلوان نے کہا: تم دم رہنے دو، بے دم کا شیر زیادہ قوی ہوگا۔

مصور نے پھر شیر کے کان بنانے کے لیے سوئی چبھوئی تو اسے پھر تکلیف ہوئی۔ اس نے پوچھا: اب کیا بنانے لگے ہو؟ مصور نے کہا: اب شیر کے کان بنانے لگا ہوں۔ پہلوان نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں، کتے کے کان کاٹ دیے جائیں تو وہ زیادہ بہادر نظر آتا ہے؟ تم کان بھی رہنے دو، اور باقی کا شیر بناؤ۔

مصور نے اب شیر کا پیٹ بنانے کے لیے سوئی چبھوئی تو یہ پھر تڑپا اور بولا اب شیر کا کونسا حصہ بنانے لگے ہو، کہا شیر کا پیٹ، پہلوان نے کہا پیٹ بھی رہنے دو اور باقی کا شیر بنا دو۔

مصور نے اب شیر کا منہ بنانے کے لیے سوئی چبھوئی اسے پھر تکلیف ہوئی، پوچھا اب کونسا حصہ بنانے لگے ہو؟ مصور نے کہا: شیر کا منہ، پہلوان نے کہا: منہ بھی رہنے دو، اسے کونسا کھانا کھانا ہے، اور باقی کا شیر بنا دو۔

مصور نے سوئی رکھ دی اور کہا: جناب معاف فرمائیے، ایسا شیر نہ کبھی سنا نہ

دیکھا، جس کی نہ دم ہو، نہ کان، نہ پیٹ ہو، نہ منہ اور ہو شیر۔ سوئی کی تکلیف سے اتنا ڈرنا اور شوق یہ کہ شیر کی تصویر بنواؤں، معاف کیجیے! ایسا شیر کہیں نہیں پایا جاتا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کے بعد نصیحت فرماتے ہیں کہ اے بھائی! استاد یا مرشد کی تربیت میں سختیوں کو جھیل لے تاکہ نفس کے کفر و فسق کے تقاضوں سے نجات پا جائے۔

اگر تو دن کی طرح روشن ہونا چاہتا ہے تو اپنی ہستی کو پہلے رات کی طرح فنا کر دے یعنی جس طرح رات کے فنا ہونے سے دن روشن ہوتا ہے، اسی طرح اگر تو نفس کے بُرے تقاضوں کی اصلاح کسی مرشد کامل سے کرالے گا تو گویا اس کی ظلمت و تاریکی فنا ہو جائے گی اور تیری حیات تعلق مع اللہ کے نور سے روشن ہو جائے گی۔

اور پھر اگر تو اللہ تعالیٰ کے قرب کی شان و شوکت کا مشاہدہ اپنے باطن میں کرلے تو سارے جہان کو اس نورِ حقیقی کے سامنے مردار اور بے وقعت دیکھے گا۔

تصویر کشی اسلام میں حرام ہے لیکن مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکایت میں زمانہ جاہلیت کا واقعہ بیان فرمایا، جس سے مقصود مولانا کا اللہ کے راستے میں چلنے والوں کو اس بات کی ہدایت دینا ہے کہ اگر مرشد کامل، متبع سنت شیخ تمہاری اصلاح کے لیے داروگیر اور کچھ سختیاں کرے تو اس کی ہر ڈانٹ ڈپٹ کو خوشی خوشی برداشت کرلو، تاکہ تمہارے اندر اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حمیدہ راسخ اور مضبوط ہو جائیں۔

اگر شیخ کی ہر ڈانٹ سے تمہارے سینہ میں کینہ بھر جائے تو بغیر رگڑے ہوئے کس طرح آئینہ بن سکتے ہو، چند دن کی تکلیف برداشت کرلو پھر دیکھنا کہ راحت ہی راحت ہے۔

❖ ...... اس واقعہ سے ہمیں سبق ملتا ہے اگر ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کا قرب خاص، اور جنت کی نعمتیں حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر نفس کی وہ تکلیف برداشت کرنا پڑے گی جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پورا کرنے اور حرام کاموں سے بچنے میں اس کو ہوتی ہے۔

اگر ہماری سوچ یہ ہے کہ مشقت ومجاہدہ برداشت کیے بغیر، اپنی بری خواہشوں کو قربان کیے بغیر کامیاب ہو جائیں گے اور مقصد حاصل کرلیں گے تو یہ خام خیالی اور شیطانی ونفسانی دھوکہ ہے۔

❖ ...... اس واقعہ سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ جس طرح شیر وہ ہے جس کے کان بھی ہوں، دم بھی ہو، پیٹ بھی ہو، پنجے بھی ہوں اور منہ بھی ہو، اور جس کی نہ دم ہو، نہ پیٹ، نہ کان، نہ پنجے اور نہ منہ ایسا شیر نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔

اسی طرح مسلمان وہ ہے جس میں اسلامی ارکان ہوں، نماز بھی ہو، روزہ بھی ہو، حج وزکوۃ بھی ہو، جذبہ جہاد بھی ہو اور جس میں نہ نماز ہو، نہ روزہ ہو، نہ حج ہو، نہ زکوۃ، خدا کی یاد ہو نہ جذبہ جہاد، ایسا مسلمان نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔

شیر وہی ہے جس کے سارے اعضاء موجود ہوں۔ مسلمان بھی وہ ہے جس میں سارے اسلامی ارکان موجود ہوں۔

جس طرح یہ عجیب قصہ ہے کہ نہ دم، نہ پیٹ نہ کان، نہ منہ اور شوق یہ کہ شیر بنے یونہی یہ بھی عجیب بات ہے کہ نہ نماز، نہ روزہ، نہ زکوۃ، نہ حج اور دعویٰ یہ کہ مسلمان ہوں۔

شیر، بھیڑیا اور لومڑی کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شیر نے ایک روز اپنے ساتھ بھیڑیے اور لومڑی کو بھی لے لیا اور کہا: چلو تم بھی میرے ساتھ آج تینوں مل کر شکار کریں۔ شیر کی اس مہربانی سے بھیڑیا اور لومڑی دونوں خوش ہو گئے اور اس کے ساتھ چل پڑے۔

اس روز انہوں نے تین شکار مارے نیل گائے، ہرن اور خرگوش۔ یہ تین شکار مار کر شیر نے بھیڑیے سے کہا کہ لو! تم ان کی تقسیم کرو۔

بھیڑیے نے عرض کی: حضور! ہم شکاری بھی تین اور شکار بھی تین ہیں، تقسیم بالکل آسان ہے۔ گائے آپ لے لیں، ہرن مجھے دے دیں اور خرگوش لومڑی کو دے دیں۔

بھیڑیے نے یہ تقسیم کی اور اس تقسیم کو شیر نے سنا تو غصہ میں آ گیا، کہنے لگا: بے ادب گستاخ! میرے ہوتے ہوئے تو بھی اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگا ہے اس جنگل کا بادشاہ میں ہوں، سب کچھ میرا ہے تو کون ہے حصہ دار بننے والا؟

غصہ میں آکر بھیڑیے کو ایک ایسا تھپڑ مارا کہ بھیڑیا بے چارہ ہرن لیتے لیتے اپنی جان بھی گنوا بیٹھا، ایک ہی تھپڑ سے مر گیا۔

اس کے بعد شیر نے لومڑی سے کہا: بھیڑیا تو بے وقوف تھا، لے اب تو ان کی تقسیم کر، ذرا تیری عقل بھی تو دیکھوں۔

لومڑی پہلے تو شیر کے آگے قدموں میں گر گئی اور پھر بڑے ادب کے ساتھ عرض کرنے لگی: حضور! گائے تو آپ اسی وقت تناول فرمالیں اور شام کے وقت ہرن کھا لیجیے اور کل صبح خرگوش سے ناشتہ فرما لیجیے۔ یہ سب کچھ آپ کا ہے میں بھی

آپ کی ہوں۔ میرا کیا ہے میری تو آپ کو خوش دیکھ کر بھوک باقی نہیں رہتی۔

لومڑی کی یہ تقسیم سن کر شیر بڑا خوش ہوا اور پوچھنے لگا بڑی اچھی تقسیم کی تو نے! مگر تم نے یہ تقسیم سیکھی کہاں سے؟

لومڑی بولی۔ حضور! بھیڑیے کے انجام سے، اتنا کہہ کر پھر قدموں میں گر پڑی۔

لومڑی کی اس ادا پر شیر خوش ہو گیا اور کہنے لگا: جاؤ یہ تینوں شکار میں نے تمہی کو عطا کیے۔ میں اور شکار کر لوں گا۔ یہ کہہ کر شیر نے تینوں شکار لومڑی کو دے دیے۔

شیر کے جانے کے بعد لومڑی اللہ کے حضور سجدے میں گر کر شکر ادا کرنے لگی اور کہنے لگی، الٰہی! تیرا لاکھ شکر کہ تقسیم کے لیے میری باری بھیڑے کے بعد آئی اور میں نے بھیڑے کا انجام دیکھا اور اسی جیسی تقسیم کرتی تو میرا انجام بھی وہی ہوتا جو بھیڑیے کا ہوا۔

الحمدللہ میری باری بعد میں آئی اور میں نے بھیڑیے کے انجام سے عبرت حاصل کر لی اور اس تقسیم سے بچ کر شیر کے عتاب سے بچ گئی۔

لومڑی کتنی ہی دیر سجدے میں پڑی رہی اور اپنی جان بچ جانے کا شکر ادا کرتی رہی۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اللہ کا لاکھ شکر ادا کیجیے کہ خدا نے ہمیں آخری نبی ﷺ کی امت بنایا اور ساری امتوں کے بعد بھیجا۔

پہلی امتوں سے جو جو گناہ ہوئے اور جن عذابوں میں وہ لوگ مبتلا ہوئے، قرآن پاک سے ہمیں ان سب کا علم ہو گیا اور ہمیں ان لوگوں کے انجام سے عبرت

حاصل کرنے کا موقعہ مل گیا۔

اگر ہم پہلے آئے ہوتے تو ہمارا حشر بھی وہی ہوتا جو پہلی امتوں کا ہوا، مگر یہ اللہ کا خاص کرم ہوا کہ اس نے ہمیں ساری امتوں کے بعد بھیجا تا کہ ہم پہلی امتوں کے گناہوں اوران پر نازل ہونے والے عذابوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور ان گناہوں سے بچ کر خدا کے عذاب سے محفوظ رہ سکیں۔

شیر اور خرگوش کا واقعہ

ایک جنگل میں بہت سے جانور اور پرندے رہتے تھے۔ایک روز اس جنگل میں ایک شیر آ گیا، جس نے آتے ہی بہت سے جانوروں کو شکار کر لیا۔شیر نے جب دیکھا کہ یہاں جانوروں کی کثرت ہے تو اسی جنگل میں ڈیرہ جما لیا۔

جنگل کے جانوروں میں کھلبلی مچ گئی اور سب ڈر گئے کہ اب ہماری خیر نہیں، پھر انہوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ شیر کے پاس چل کر اس سے کہتے ہیں کہ ہم خود ہی ہر روز آپ کے لیے ایک جانور بھیج دیا کریں گے، آپ کو رزق تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ سب مل کر شیر کے پاس پہنچے اور کہنے لگے، حضور! آپ ہمارے بادشاہ ہیں اور ہم سب آپ کے غلام۔آپ اپنے مقام پر ہی تشریف رکھا کریں۔ہم ہر روز ایک جانور آپ کے پاس خود ہی بھیج دیا کریں گے۔

شیر نے یہ بات منظور کر لی اور کہا اپنے وعدے پر قائم رہنا ورنہ میں تم میں سے کسی کو نہ چھوڑوں گا۔سب نے اقرار کر لیا کہ ہم اپنے وعدے پر قائم رہیں گے۔

چنانچہ ہر روز صبح جانوروں کا اجتماع ہوتا۔ وہ قرعہ ڈالتے جس جانور کا نام نکلتا، شیر کی غذا کے لیے اُسے بھیج دیتے اور وہ شیر کا لقمہ بن جاتا۔

کچھ دنوں کے بعد خرگوش کا نمبر آ گیا۔ سب نے اس سے کہا کہ آج شیر کا لقمہ بننے کو تمہیں جانا پڑے گا۔

خرگوش نے کہا ہاں میں جاتا ہوں اور ان شاء اللہ آج میں خود بھی صحیح سلامت واپس آ جاؤں گا اور ہمیشہ کے لیے تم سب کو شیر سے نجات دلا دوں گا۔

انہوں نے کہا: کیوں مذاق کرتے ہو، کہاں شیر اور کہاں تم؟ شیر کا تم کیا بگاڑ لو گے۔

خرگوش نے کہا: تم خود دیکھ لو گے کہ میں کیا کر کے آتا ہوں جو تدبیر مجھے سوجھی ہے اس کا نتیجہ دیکھ کر تم عش عش کر اٹھو گے۔

الغرض! خرگوش نے باتوں ہی باتوں میں دیر کر دی۔ ادھر دیر ہوئی تو ادھر شیر اپنی غذا کے انتظار میں بے حد غصہ میں آ گیا کہ آج میرے لیے ابھی تک کوئی جانور نہیں آیا، شیر اسی غصہ میں تھا کہ خرگوش ڈرا اور سہا ہوا شیر کے پاس آ پہنچا۔ شیر نے پوچھا کہ تم نے دیر کیوں کر دی؟

خرگوش نے کہا: حضور! کیا بتاؤں۔ آپ کے لیے ہم دو خرگوش آ رہے تھے لیکن راستے میں ایک اور شیر مل گیا جس نے ہم پر حملہ کر دیا، میں تو اس کے پنجہ سے بچ نکلا مگر میرا ساتھی خرگوش اس نے پکڑ لیا، میں بڑی مشکل سے لمبا چکر کاٹ کر آپ تک پہنچا ہوں۔

شیر نے کہا: کیا کوئی اور شیر بھی اس جنگل میں آ گیا ہے؟

خرگوش نے کہا: ہاں جناب! اس نے تو میرے ساتھی کو پکڑ لیا ہے اور میں اپنی

جان بچا کر آپ تک پہنچا ہوں۔

شیر غصہ میں پیچ و تاب کھاتا ہوا بولا، چل مجھے وہاں لے چل جہاں وہ شیر ہے۔ پہلے میں اُسے ختم کرلوں پھر دیکھا جائے گا۔

خرگوش نے کہا: چلیے میں آپ کو وہاں لے کر چلوں، چنانچہ خرگوش نے شیر کو ساتھ لیا اور ایک کنویں کے کنارے جا کھڑا ہوا اور شیر سے کہنے لگا: دیکھیں جناب! وہ شیر بھی کھڑا ہے اور اس کے ساتھ میرا ساتھی خرگوش بھی۔

شیر نے آگے بڑھ کر کنویں کے اندر جو جھانکا تو پانی میں اسے اپنا اور خرگوش کا عکس نظر آیا۔ شیر نے سمجھا یہی وہ شیر ہے جس نے میرے دو خرگوشوں پر حملہ کر کے ایک خرگوش پکڑ لیا ہے اور وہ خرگوش بھی اس کے ساتھ کھڑا ہے۔

اس خیال سے بے حد غصہ میں آ کر شیر نے اپنے ہی عکس پر حملہ کرنے کے لیے کنویں میں چھلانگ لگا دی۔

شیر کنویں میں گرتے ہی پانی میں غوطے کھانے لگا اور خرگوش نے کنارے پر کھڑے کھڑے خوشی سے بغلیں بجاتے ہوئے کہا: بادشاہ سلامت! الوداع! میں اب واپس جا رہا ہوں۔

شیر کچھ عرصہ کے بعد کنویں میں ڈوب کر مر گیا اور اور خرگوش صحیح سلامت واپس آ گیا۔ سب جانور اس کی حکمتِ عملی پر عش عش کر اٹھے اور اس کے کمال کو سراہنے لگے اور کہنے لگے: واقعی تم نے کمال کر کے دکھا دیا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... حکمت و دانائی سے بڑی بڑی مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے اور خدا کا فضل جب شاملِ حال ہو تو بگڑے کام درست ہو جاتے ہیں۔

❖...... اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح شیر نے اپنے زعم میں دوسرے شیر پر حملہ کیا تھا حالانکہ اس کا یہ حملہ خود اپنی ذات پر تھا۔ اسی طرح جو ظالم شخص دوسرے پر ظلم کرتا ہے وہ نہیں سمجھتا کہ یہ ظلم دراصل وہ اپنی ہی ذات پر کر رہا ہے۔ جتنے خائن بد دیانت، راشی، سود خور اور کم تولنے والے ہیں، یہ سب دراصل اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس حقیقت کا پتا انہیں اس وقت چلے گا جب یہ لوگ قبر کے کنویں میں پہنچیں گے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح فرمایا ہے:

حملہ بر خودے کُنی اے سادہ مرد
ہمچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد

مطلب یہ ہے کہ اے سادہ انسان! گناہ کر کے تم اپنے اوپر خود حملہ کرتے ہو جیسے کہ اِس شیر نے (کنویں میں دوسرا شیر سمجھ کر) درحقیقت اپنے ہی اوپر حملہ کیا تھا۔

❖...... یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اپنے ظلم کی بنا پر عوام سے ہفتہ وار یا ماہوار رشوت لینے کے عہدے لیتے ہیں، ان کا انجام بھی ہولناک ہوگا۔

❖...... یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ بڑا بے نیاز اور بڑی طاقت کا مالک ہے۔ چاہے تو چیونٹی سے ہاتھی کو مروا دے، مچھر سے نمرود کو ہلاک کر دے اور خرگوش سے شیر کو مروا دے۔

شیر اور لومڑی کا واقعہ

ایک شیر بوڑھا ہو گیا اور دوڑنے بھاگنے سے رہ گیا، طاقت بھی باقی نہ رہی۔ اس نے سوچا کہ شکار تو اب مجھ سے ہو نہیں سکتا، کوئی ایسی تدبیر کروں جس سے میں ہر روز کوئی شکار پا سکوں۔ چنانچہ وہ بیمار بن کر غار میں بیٹھ گیا تا کہ جانور میری عیادت کے لیے آئیں، اس طرح جو جانور بھی میری عیادت کے لیے غار میں میرے پاس اندر آئے گا اسے کھا جایا کروں گا۔

چنانچہ جانوروں کو شیر کی علالت کا پتا چلا تو وہ عیادت کے لیے آنے لگے۔ جو جانور بھی غار کے اندر حال پوچھنے کو جاتا واپس نہ آتا۔

ایک لومڑی بھی آئی اور غار کے دروازے ہی پر کھڑے ہو کر پوچھنے لگی، حضور کی طبیعت کیسی ہے؟ شیر نے کہا: باہر کیوں کھڑی ہو؟ اندر آجاؤ۔

لومڑی بولی حضور! میرے اندر نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے جتنے بھی پاؤں کے نشان دیکھے ہیں، سب اندر جانے ہی کے ہیں باہر آنے کا ایک بھی نشان نہیں۔ اس لیے میں یہیں اچھی ہوں۔ آپ کا مزاج پوچھ کر یہیں سے واپس چلی جاؤں گی۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

دانائی یہ ہے کہ جو کام بھی کیا جائے سوچ سمجھ کر کیا جائے اور اس کا انجام بھی دیکھ لیا جائے کہ کیا ہوگا، جو لوگ بغیر سوچے سمجھے اور انجام پر نظر کیے بغیر کوئی کام کرتے ہیں تو وہ پچھتاتے ہیں۔

مردِ آخر بیں مبارک بندہ است

کے مطابق انجام پر نظر رکھنے والے اچھے رہتے ہیں اور جو عاقبت نااندیش دیکھا جائے گا کہہ کر ہر کام کر گزرتے ہیں وہ نقصان اٹھاتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو یہ شعر پڑھا کرتے ہیں کہ۔

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے!

ایسے شاعروں اور ایسی شاعری سے تو لومڑی ہی اچھی رہی۔

❖...... یہ بھی معلوم ہوا کہ مغربی تہذیب کا غار بڑا خطرناک ہے اس کے اندر شیطان بیٹھا ہے، جو بھی اندر گیا اس کا لقمہ بن گیا اور پھر وہ اپنی تہذیب کی طرف نہ لوٹ سکا، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس سے دور ہی رہا جائے۔

ظاہر کچھ اور باطن کچھ

ایک شخص بہت بڑی پگڑی پہنے شہر کے بارونق بازار سے گزر رہا تھا۔ پگڑی پر ایک چور کی نظر پڑ گئی۔ چور کا دل للچا اٹھا، سوچنے لگا پگڑی کیا ہے ململ کا پورا تھان ہے، اسے چرا لوں تو پورے خاندان کے لیے قمیصیں بن جائیں گی۔

چور پگڑی والے کے پیچھے چلنے لگا۔ ہجوم زیادہ ہوا تو چور نے اس کے سر سے پگڑی اچک لی اور پوری رفتار سے بھاگنے لگا۔

پگڑی والے نے مسکرا کر بلند آواز سے چور کو آواز دی۔ ''میاں چور! بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ جاؤ میں نے تمہیں پگڑی بخش دی لیکن ٹھہرو! پگڑی کے ظاہر پر نہ جانا! اسے ذرا کھول کر تو دیکھو!''

چور بہت دور جا چکا تھا لیکن اس نے مالک کی آواز کو سن لیا۔ ایک گلی کے اندر جا کر اس نے پگڑی کو کھولا تو حیران رہ گیا۔ صرف ایک گز کپڑے کے تین پیچ تھے، اندر بھس اور چیتھڑے بھرے ہوئے تھے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... آج کل مسلمان کا بھی یہی ہے کہ بظاہر کلمہ شریف کی پگڑی پہنے ہوئے ہے اور نام سے نظر آتا ہے کہ یہ مسلمان ہے لیکن اس کا باطن کھول کر دیکھیے تو وہی غیر شرعی رسوم کی بھس اور فسق و فجور کے چیتھڑے اندر بھرے ہوئے نظر آئیں گے، انہیں شادی اور غمی پر دیکھیے یہ حالت ہوتی ہے۔

وضع میں تم نصاریٰ ہو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

بظاہر کلمہ بھی پڑھتے ہیں، نمازی بھی ہیں حاجی بھی ہیں، داعی بھی ہیں، بزرگوں سے تعلق بھی ہے لیکن جب تقریبات کا موقع آتا ہے مسلمانی دور دور تک نظر نہیں آتی۔ سالگرہ، مہندی، مایوں، ولیمہ، میں مرد وزن کا مخلوط (Mix gathering) اجتماع، ڈانس، میوزک، عورتوں کی بے پردگی وغیرہ منکرات کا ایک طوفانِ بدتمیزی برپا ہوتا ہے۔ الامان! الحفیظ!

ایسے مسلمان کے لیے مولانا رومی ہی نے لکھا ہے کہ۔

(۱) از بروں طعنہ زنی بر بایزید!
وز درونت ننگ می دارد یزید

(۲) ہمچو گورِ کافراں پر دود و تار
وز بروں بربستہ صد نقش و نگار

(۳)ہمچو مالِ ظالمان بیرون جمال
وز درونش خونِ مظلوم و وبال!
(۴)چوں منافق از بروں صوم و صلوٰۃ
وز دروں خاک سیاہ و بے ثبات
(۵)ہمچو ابرِ بے نمِ پُر قرد قمر
نے دراں نفعِ زمین نے قوتِ بر

اشعار کا مطلب

❖...... ظاہر سے تم ایسے ہو کہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی طعنہ زنی کرتے ہو لیکن باطن سے ایسے ہو کہ یزید کو بھی شرم آجاتی ہے۔

❖...... کافروں کی ان قبروں کی طرح جن پر بڑے نقش و نگار ہوتے ہیں لیکن قبر کے اندر نارِ جہنم کا دھواں اور تاریکی ہوتی ہے۔

❖...... ظالم کے اس مال کی طرح، جس کا لیبل تو بڑا خوبصورت ہوتا ہے لیکن اندر مظلوم کا خون اور وبال ہوتا ہے۔

❖...... منافق کی طرح، ظاہراً صوم وصلوٰۃ اور باطناً تاریک اور بے ثبات۔

❖...... اس گرجنے والے بادل کی طرح جو بے نم ہوتا ہے، اس میں نہ تو زمین کے لیے نفع ہوتا ہے اور نہ ہی پھل کے لیے غذا۔

ماڈرن مسلمان کی حالتِ زار

ایک شریف آدمی کو شہر میں اچھے مکان کی تلاش تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ مکان کھلا بھی ہو، دو چار کمرے بھی ہوں، باورچی خانہ بھی ہو اور اس میں پانی بھی ہو، گویا صحیح معنوں میں رہنے کے قابل مکان ہو، اسے ایک دوست مل گیا۔ اس نے دوست سے کہا کہ تم اس شہر کے رہنے والے ہو کوئی اچھا سا مکان ہو تو مجھے لے دو۔

وہ بولا: واہ صاحب واہ! یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ میرے پڑوس ہی میں ایک بڑا اچھا مکان موجود ہے۔ اگرچہ وہ ویران و خراب ہو چکا ہے لیکن ہے لاجواب، اس کی خوبیاں تمہیں بتاتا ہوں۔

اس کا صحن بڑا وسیع ہے چاروں طرف سے ہوا آتی ہے۔ اگر اس کے بڑے کمرے اور دالان کی دیواریں گر نہ پڑی ہوتیں اور ان پر چھت ہوتی۔ اگر اس کا باورچی خانہ آگ لگ جانے سے جل کر تباہ نہ ہو گیا ہوتا۔ اگر اس کی ڈیوڑھی کا شہتیر ٹوٹ کر گر نہ گیا ہوتا اور اگر اس کا بیرونی گیٹ چور اکھاڑ کر نہ لے گئے ہوتے۔ اگر اس کی بیٹھک سلامت رہ گئی ہوتی اور اگر اس میں پانی بھی ہوتا تو اس سے بڑھ کر شہر میں اور کوئی اچھا مکان نہ مل سکتا تھا۔

مکان کے متلاشی نے یہ اگر مگر کی تکرار سن کر کہا: شکر ہے کہ اگر آپ مجھے نہ مل جاتے اور اگر میں نے آپ سے کسی اچھے مکان کا پوچھا نہ ہوتا تو ایسا اچھا مکان مجھے کون بتاتا!

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... آج کل کسی اچھے مسلمان کی تلاش ہو تو ماڈرن مسلمان موجود ہے۔
اگرچہ اسلامی وضع قطع ویران و برباد ہوچکی ہے لیکن ہے لاجواب۔ اس
کی خوبیاں سناتا ہوں۔

اس کا دماغ بڑا وسیع ہے۔ چاروں طرف سے اس میں مغربی تہذیب کی ہوا آتی رہتی ہے، اگر اس کے منہ پر داڑھی ہوتی، اگر اس کے اسلام کی دیواریں گر نہ پڑی ہوتیں، اگر ان پر نماز و روزہ کی چھت ہوتی، اگر اس کی اسلامی حرارت کی تار جل نہ گئی ہوتی، اگر اس کے ایمان کا شہتیر ٹوٹ کر گر نہ گیا ہوتا، اگر اس کی ظاہری شکل و صورت مغربی تہذیب چرا کر نہ لے گئی ہوتی، اگر اس میں خوفِ خدا سے روتے ہوئے آنکھوں میں آنسو کا پانی ہوتا تو اس سے بڑھ کر اچھا مسلمان دنیا بھر میں آپ کو نہ مل سکتا، الغرض آج کل ماڈرن مسلمان میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں جو اس مکان میں پائی جاتی تھیں۔

خانہ یا ویرانہ

ایک سائل نے ایک گھر کے دروازے پر آ کر سوال کیا: خدا کے نام پر روٹی مل جائے۔ اندر سے آواز آئی: بابا یہ کوئی نانبائی کی دکان نہیں۔ سائل نے کہا: اچھا تھوڑا سالن ہی مل جائے، جواب ملا: یہ ہوٹل نہیں۔ سائل نے کہا: مٹھی بھر آٹا ہی دے دو، جواب ملا: یہ آٹے کی دکان نہیں۔ اچھا کوئی کپڑا ہی دے دو، جواب ملا: یہ

کپڑے کی دکان نہیں۔ گوشت کی دو بوٹیاں ہی دے دو، جواب ملا: یہ قصائی کی دکان نہیں۔ سائل نے کہا تھوڑا سا پانی ہی پلادو، جواب ملا یہ کوئی پانی کی سبیل نہیں۔

سائل ایک دم گھر کے اندر جا کر صحن میں بیٹھ کر پاخانہ کرنے لگا۔ گھر والوں نے شور مچایا کہ یہ کیا بے ہودہ حرکت ہے!!

وہ کہنے لگا: ذرا ٹھہرو! مجھے حاجت سے فارغ ہو لینے دو۔ چنانچہ اطمینان سے وہ فارغ ہوا تو گھر والوں سے کہنے لگا: بھئی میں اسے آباد گھر سمجھ کر کچھ مانگنے آیا تھا مگر جب آپ سے سنا کہ یہ نانبائی کی دکان بھی نہیں، ہوٹل بھی نہیں، آٹے کی دکان بھی نہیں، قصائی کی دکان بھی نہیں، سبیل بھی نہیں، نہ یہاں روٹی ہے نہ پانی، نہ آٹا، نہ کپڑا، نہ سالن، نہ بوٹی، تو میں نے یقین کر لیا کہ یہ خانہ نہیں ویرانہ ہے۔ مجھے بڑے زور کی حاجت ہو رہی تھی۔ سوچا اتفاق سے ویرانہ مل گیا ہے، کیوں نہ یہاں رفعِ حاجت کرلوں۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... جس جیب سے خدا کی راہ میں کچھ نہ نکلے وہ جیب نہیں شیطان کا فریب ہے۔ جس مال سے زکوٰۃ نہ نکلے وہ مال نہیں وبال ہے۔

یہی حال ماڈرن مسلمان کا ہے۔ آپ پوچھتے ہیں: ذرا نماز تو سنائیے! جواب ملے گا: میں مولوی نہیں ہوں۔ اچھا زکوٰۃ ہی ادا کیجیے، جواب ملے گا: میں نے دولت چرا کر جمع نہیں کی جو بانٹتا پھروں۔ اچھا! حج ہی ادا کرلیجیے، جواب ملے گا: میں بے کار نہیں ہوں جو دو تین مہینے یونہی پھرتا رہوں۔ اچھا روزہ ہی رکھ لیا کریں جواب ملے گا: میں کوئی مفلس نہیں ہوں جو دن بھر بھوکا رہوں۔

یہ جوابات سن کر آپ زور سے پڑھیے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وہ اگر

پوچھے کہ یہ لاحول کیوں؟ تو جواب دیجیے۔ آپ مسلمان نہیں، شیطان ہیں جس کو دیکھ کر لاحول ہی پڑھا جاتا ہے۔

نوّے سالہ بڑھیا کا میک اپ

ایک نوے سالہ بڑھیا تھی، سفید بال، چہرہ زرد، منہ پر جھریاں، ٹوٹے ہوئے دانت، کمان کی طرح دوہری کمر لیکن حرص اور شہوت کی شکار! جس طرح خالی دیگ کے نیچے آگ جلائی گئی ہو۔

ایک دن بڑھیا کے پڑوس میں شادی کی تقریب ہوئی جس میں اسے بھی بلایا گیا۔ بڑھیا بہت مسرور ہوئی۔ فوراً ڈرائنگ روم میں آئی، آئینہ کے سامنے بیٹھی بال سنوارے، ربن لگایا اور منہ کو بہت ملا لیکن چہرے کی جھریاں دور نہ ہوئیں۔ بڑھیا کو اور تو کچھ نہ ملا پاس ہی قرآن پاک رکھا تھا۔ اس کے سفید اوراق کو باریک باریک کاٹ کر لئی کے ساتھ جھریوں پر چپکا لیا اور چادر اوڑھ کر خراماں خراماں روانہ ہوگئی۔

راستہ میں چادر کو صحیح کرنے لگی تو کاغذ کے ٹکڑے ایک ایک کر کے چہرے سے گرنے لگے۔ غصہ میں آکر کہنے لگی لعنت ہو شیطان پر!

یہ کہا تھا کہ شیطان آدھمکا اور بولا کہ مجھ پر لعنت کیسی؟ سو شیطان ایک طرف اور تو اکیلی ایک طرف۔

یہ تدبیر تو کسی شیطان کو بھی نہ سوجھی تھی کہ جھریاں چھپانے کے لیے مصحف پاک کے اوراق کاٹ کر چہرے پر چپکائے۔ اے بڑھیا! چہرہ پر مشک کا کافور بھی لگائے تو یہ جھریاں دور نہ ہوں گی۔ تیری یہ کوشش بے کار ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... آج کل کے ماڈرن مرد اور عورتیں یہ سب نئی تہذیب کی بڑھیا کا مصداق ہیں۔ تہذیب نو نے انہیں بڑھاپا چھپانے کے لیے میک اپ دیا جس سے بوڑھے ہو کر بھی جوان نظر آتے ہیں لیکن مصنوعی حسن بھی کوئی حسن ہے! جس کا عالم یہ ہے کہ اپنا بڑھاپا چھپانے کے لیے بڑھیا نے جو کچھ کیا، کیا لیکن سب سے بڑا ظلم اس نے یہ کیا کہ اپنی جھریاں مٹانے کے لیے قرآنِ پاک کے ورق کاٹ کاٹ کر اپنی جھریوں پر چپکانے لگی اور قرآن کا مصرف اس نے یہ سمجھ لیا کہ اس سے جھریاں چھپائی جاتی ہیں۔ (معاذ اللہ)

❖...... اسی طرح نئی تہذیب کی بڑھیا کے آج کل کے فرزند یعنی ماڈرن مفسر قرآن بھی اپنی حرص شہوت کی جھریاں بھرنے کے لیے قرآن پاک کو اپنی الحاد کی قینچی سے کاٹ کاٹ کر جہاں چاہیں چپکا دیتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ:

یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ
(المائدۃ:۱۳)

اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں سے بدل دیتے ہیں۔ پھر فرمایا:

یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ
(البقرۃ:۷۵)

اللہ کا کلام سنتے پھر سمجھنے کے بعد اسے دانستہ بدل دیتے ہیں۔

چنانچہ آج کل تہذیب نو کی بڑھیا کے فرزند اپنے پیٹ کی جھریاں بھرنے کے لیے قرآن پاک کی آیات کی تفسیر کچھ ایسی کرتے ہیں جس سے یہ سمجھا جاتا ہے

کہ قرآن آیا ہی اس لیے ہے کہ زمین سے پٹرول نکالو، موٹریں کاریں بناؤ، ہوائی جہاز بناؤ، راکٹ تیار کر کے چاند پر پہنچو، کھاؤ پیو، عیش و عشرت کرو، اور پھر مر جاؤ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک میں مادی ترقی سے ہرگز روکا نہیں گیا، اچھا کھانا پینا، دولت کمانا اور موٹروں جہازوں پر سفر کرنا وغیرہ سب جائز ہے۔ دائرۂ شریعت میں رہ کر خوب کھاؤ پیو، عیش و عشرت کرو، سب جائز ہے لیکن قرآنی حدود سے باہر نکل کر اپنی حرص و شہوت کی جھریوں کو بھرنے کے لیے قرآن پاک کی من مانی تفسیر کرنا بالکل بڑھیا کے میک اپ کے مطابق ہے مثلاً ایسے ہی ایک ماڈرن مفسر سے پوچھا گیا کہ کیا قرآن میں صرف چار چیزوں کو حرام فرمایا گیا ہے؟

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ

(البقرۃ:۱۷۳)

اللہ نے تم پر حرام کیے ہیں مردار خون اور سور کا گوشت اور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔

تو ماڈرن مفسر نے پیٹ کی جھریاں بھرنے کے لیے جواب دیا:

قرآن کی رو سے صرف مردار، بہتا خون، لحم خنزیر غیر اللہ کے نام کی طرف کی چیزیں حرام ہیں اور کچھ حرام نہیں۔

یہ ماڈرن مفسر اور اسکالر کہتا ہے: ہمارے مروجہ اسلام میں حرام و حلال کی جو طولانی فہرستیں ہیں وہ سب انسانوں کی خودساختہ ہیں۔ خدا کہتا ہے ہم نے صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ ملّا کی شریعت حرام حلال کی ایسی لمبی لمبی فہرستیں پیش کرتی ہیں کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ (طلوع اسلام جون ص ۲۷، صفحہ ۶۵)

لیجیے صاحب! ان چار چیزوں کے علاوہ دیگر سب جانور اور ہر چیز جائز ہوگئی اور اس آیت کو پیٹ کی جھریاں بھرنے کے لیے پیٹ پر چپکا دیا گیا۔

اور سنیئے! ایسے ہی ایک صاحب نے لکھا تھا کہ خدا نے حرام اگر کیا ہے تو خنزیر کا گوشت اس لیے خنزیر کا گوشت نہ کھایئے، اس کی کھال بال اور ہڈیاں کام میں لائی جاسکتی ہیں۔ کھالوں کے بوٹ بناؤ، بالوں سے دانتوں کے برش تیار کرو، ہڈیوں سے بھی فائدہ اٹھاؤ۔ ان صاحب نے بھی قرآن سے پیٹ کی جھریاں بھرنے کا کام لے لیا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوۤا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً

اے ایمان والو! سود دونا دونہ کھاؤ۔

اس آیت پر ماڈرن مفسروں کا فیصلہ یہ ہے کہ خدا نے دونا دون سود کھانے سے روکا ہے۔

حضور کے زمانہ میں سود خوروں کا یہ دستور تھا کہ جب میعاد آتی اور قرض دار کے پاس رقم نہ ہوتی تو سود خور مال زیادہ کر کے مدت بڑھا دیتا اور اس طرح سود در سود لیتا۔ ماڈرن مفسر کا کہنا ہے کہ آیت میں سود در سود کی ممانعت ہے صرف سود کی ممانعت نہیں، پھر بعض لوگ سود کا نام منافع رکھ کر کھا لیتے ہیں حالانکہ نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔

سور کا نام دنبہ رکھ لو تو سور پھر بھی سور ہی رہے گا دنبہ ہرگز نہ بن سکے گا، مگر یہ سب تاویلیں بڑھیا کے میک اپ کی طرح کی ہیں تاکہ پیٹ پھولے اور جھریاں غائب ہوں۔

اور اکبر الہ آبادی نے لکھا ہے۔

کہاں کا حلال اور کہاں کا حرام
جو صاحب کھلائے وہ چٹ کیجیے!

چالاک عورت کا جھوٹ

ایک شخص نے ایک چالاک عورت سے شادی کرلی۔ عورت بڑی ہوشیار، چالاک اور کھانے پینے کی رسیا تھی ہر وقت کھاتی پیتی رہتی تھی۔

ایک دن ان کے ہاں ایک مہمان آگیا۔ مہمان کی خاطر وہ شخص سیر بھر گوشت لایا اور بیوی سے کہا مہمان کے لیے آج گوشت پکاؤ۔

عورت نے گوشت پکانے کے لیے ہنڈیا چولہے پر رکھی اور گوشت بھونتے ہوئے ایک ایک بوٹی نکال کر سارا گوشت چٹ کرگئی۔

خاوند گھر آیا تو کہنے لگی: وہ دیکھیے جو بلی آپ نے پال رکھی ہے، کم بخت کس بھولے پن سے بیٹھی ہے۔ ہنڈیا میں مسالہ بھون رہی تھی، گوشت طاق میں رکھا ہوا تھا، بلی نے گوشت دیکھ لیا تو سارا گوشت وہ چٹ کرگئی۔ جائیے بازار سے گوشت اور لے آیئے۔

خاوند ساری بات سمجھ گیا اور بازار سے ترازو لے آیا۔ اس کے بعد بلی کو پکڑ کر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا اور دوسرے پلڑے میں سیر کا باٹ رکھا، تولا تو بلی پوری ایک کلو نکلی۔ گوشت بھی کلو بھر تھا اور بلی بھی ایک کلو نکلی۔

خاوند نے بیوی سے کہا ادھر آ بے حیا اور مجھے بتا کہ یہ سیر بھر وزن اگر بلی کا ہے تو گوشت کہاں گیا؟ اور اگر یہ سیر بھر وزن گوشت کا ہے تو بلی کہاں گئی؟

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

چالاک، عیار اور خائن لوگ وقتی طور پر اگر کچھ پا بھی لیں تو کیا فائدہ؟ ایک دن ایسا بھی آتا ہے جب ان کے جھوٹ کا پول کھل جاتا ہے۔ یہاں اگر نہیں

تو قیامت کے روز جب میزان قائم ہوگا اس دن ساری خیانتیں اور بے ایمانیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ خدا فرماتا ہے:

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ، فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝

(الطارق: ۹،۱۰)

جس دن چھپی باتوں کی جانچ ہوگی تو آدمی کے پاس نہ کچھ زور ہوگا نہ کوئی مددگار۔

یعنی قیامت کے روز خدا تعالیٰ عقائد اور نیتیں اور وہ کام جنہیں آدمی چھپاتا ہے ظاہر فرما دے گا۔

آج اگر ایک شخص کی حکمتِ عملی نے ترازو کے ذریعہ چالاک عورت کی بے ایمانی ظاہر کر لی تو خدا تعالیٰ جو حکیم مطلق ہے وہ روز قیامت میں "ترازو" کے ذریعہ چالاک وعیار اور خائن لوگوں کی بے ایمانیاں کیوں ظاہر نہ فرمائے گا۔

❖ ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے زمانہ کے مسلمانوں اور آج کل کے مسلمانوں میں بڑا فرق ہے۔ ان کے مکان کچے اور ایمان پکے تھے، آج کل مکان پکے اور ایمان کچے ہیں۔ وہ چالاک و بے باک نہ تھے، یہ چالاک بھی ہیں اور بے باک بھی۔

بھوکے رہتے تھے وہ اوروں کو کھلا دیتے تھے

کے وہ مصداق تھے اور یہ "رام رام جپنا پرایا مال اپنا" کے مصداق ہیں۔ وہ کاملاً مسلمان تھے اور یہ ماڈرن مسلمان ہیں۔

مولانا رومی کی مذکورہ بالا حکایت کے مطابق آپ ترازو کے ایک پلڑے میں پہلے مسلمان رکھیے اور دوسرے میں آج کل کے، پھر فیصلہ کیجیے کہ موجودہ مسلمان ہی اگر مسلمان ہیں تو پہلے مسلمان کیا تھے، اور اگر پہلے مسلمان مسلمان تھے تو پھر آج

کل کے مسلمان کیا ہیں۔

وہ مسلمان کہاں اگلے زمانے والے
گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والے
بھوکے رہتے تھے خود اوروں کو کھلا دیتے تھے
اور اب خود ہی ہیں سب پینے و کھانے والے

ماں کا قاتل

ایک شخص کی ماں بڑی عیاش تھی۔ کئی بدمعاشوں سے اس کے ناجائز تعلقات تھے۔ ایک روز اس کے باغیرت بیٹے نے غیرت میں آکر اپنی ماں کو قتل کر ڈالا۔ کسی نے اس سے کہا: ارے نالائق! تو نے یہ کیا حرکت کی؟ ماں کا تو بڑا حق ہوتا ہے، تو نے ماں کو قتل کر دیا۔

اس نے جواب دیا: میری ماں کے فلاں فلاں شخص سے ناجائز تعلقات تھے۔ میں نے غیرت میں آکر اُسے قتل کر دیا۔

معترض نے کہا: اگر تو ایسا ہی غیرت مند تھا تو اس بدکار آدمی کو قتل کرتا جس سے تمہاری ماں کے تعلقات تھے۔

اس نے کہا میری ماں کے تعلقات اگر کسی ایک شخص سے ہوتے تو اسے قتل کرتا۔ اس کے تو کئی بدمعاشوں سے تعلقات تھے، میں کس کس کو قتل کرتا۔ میں نے ماں کو قتل کر کے گویا سب کا قصہ پاک کر دیا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

نفسِ امارہ کی مثال بھی اس بدکار ماں کی ہے کہ اس کی ناجائز خواہشات سے ہر طرف فتنہ وفساد نظر آرہا ہے۔

نفس کا ناجائز تعلق رشوت سے بھی ہے، خیانت سے بھی، بددیانتی اور شرارت سے بھی، جنگ وفساد اور قتل وغارت سے بھی۔

یہ جتنی برائیاں بھی دنیا میں عام ہیں اسی بدکار نفس کی وجہ سے ہیں۔ اگر آپ نفس کو زندہ رکھ کر ان برائیوں کو مٹانے کو کوشش کریں گے تو کون کونسی برائی کو مٹائیں گے؟

ان سب برائیوں کا قصہ پاک کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ اس نفس امارہ ہی کو مار دیا جائے۔

چنانچہ مولانا رومیؒ ہی فرماتے ہیں۔

پس بکُش او را کہ بہرِ آن دنی!
ہر دمے قصدِ عزیزے مے کنی

یعنی تو اس کمینے نفس کو مار، جس کے لیے تو ہر لحظہ تازہ خون کرتا ہے۔

صحیح فرمایا ہے:

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

حضرت نصوح رحمۃ اللہ علیہ کی سچی توبہ کا واقعہ

پہلے زمانے میں ایک شخص تھا جن کا نام نصوح تھا، تھا مرد مگر شکل اور آواز بالکل عورتوں کی سی تھی اور شاہی محلات میں بیگمات اور بادشاہ کی شہزادیوں کو نہلانے اور میل نکالنے کی خدمت پر مامور تھا اور عورت کے لباس میں یہ شخص ملازمہ اور خادمہ بنا ہوا تھا، چونکہ یہ مرد شہوتِ کاملہ رکھتا تھا، اس لیے شاہی خاندان کی عورتوں کی مالش سے نفسانی لذت بھی خوب پاتا اور جب بھی توبہ کرتا اس کا نفس ظالم اس کی توبہ کو توڑ دیتا۔

ایک دن اس نے سنا کہ کوئی بڑے اللہ تعالیٰ کی پہچان رکھنے والے بزرگ تشریف لائے ہیں۔ یہ بھی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: ”یہ گنہگار عارف باللہ کے سامنے آیا ہے، آپ سے عرض ہے کہ ہم کو دعا میں یاد رکھیے“۔

چنانچہ انہوں نے نصوح کے لیے دعا کی، ان بزرگ کی دعا سات آسمانوں سے اوپر اٹھالی گئی اور اس عاجز مسکین کا کام بن گیا۔

اس خدائے ذوالجلال نے اپنی خاص قدرت سے ایک سبب اس کے گناہ سے خلاصی کا پیدا فرمایا۔ وہ سبب غیب سے یہ ظاہر ہوا کہ محل کے زنان خانہ سے ایک انتہائی قیمتی ہیرا گم ہوگیا، نصوح اور اس کے ساتھ تمام نوکرانیوں کی تلاشی کی ضرورت واقع ہوئی، زنان خانہ کے دروازے بند کر کے تلاشی شروع ہوئی۔ جب کسی کے سامان میں وہ موتی نہ ملا تو محل میں اعلان کردیا گیا کہ سب خادمات کپڑے اتار کر ننگی ہوجائیں، خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھی ہوں۔

اس آواز سے نصوح پر لرزہ طاری ہوگیا کیونکہ یہ دراصل مرد تھا مگر عورت کے بھیس میں ایک عرصے سے خادمہ بنا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ آج میں رسوا ہوجاؤں

گا اور بادشاہ غیرت کے سبب اپنی عزت و ناموس کا مجھ سے انتقام لے گا اور مجھے قتل سے کم سزا نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ جرم نہایت سنگین ہے۔

یہ نصوح خوف سے لرزتا ہوا تنہائی میں گیا۔ ہیبت سے چہرہ زرد اور ہونٹ نیلے ہو رہے تھے۔

نصوح چونکہ موت کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا لہٰذا خوف کے مارے پتے کی طرح لرزہ براندام ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں یہ سجدہ میں گر گیا اور رو رو کر دعا کرنے لگا:

''اے میرے رب! بہت دفعہ میں نے غلط راستہ اختیار کیا، توبہ اور عہد کو بارہا توڑ دیا۔''

''اے میرے اللہ! اب میرے ساتھ وہ معاملہ کیجیے جو آپ کے لائق ہے، کیونکہ میرے ہر سوراخ سے میرا سانپ مجھے ڈس رہا ہے۔''

''اگر ہیرے کی تلاشی کی نوبت خادمات سے گزر کر مجھ تک پہنچی تو اُف میری جان کس قدر سختی اور بلا کا عذاب چکھے گی۔''

''اگر آپ اس مرتبہ میری پردہ پوشی فرما دیں تو میں نے توبہ کی ہر نالائق کام سے۔''

نصوح یہ مناجات کرتے کرتے عرض کرنے لگا:

''اے رب! میرے جگر میں غم کے سینکڑوں شعلے بھڑک رہے ہیں اور آپ میری مناجات میں میرے جگر کا خون دیکھ لیں کہ میں کس طرح بے کسی کی حالت اور درد سے فریاد کر رہا ہوں۔''

نصوح اپنے رب سے گریہ وزاری کر ہی رہا تھا کہ محل میں صدا بلند ہوئی کہ سب کی تلاشی ہو چکی اب اے نصوح! تو سامنے آ اور عریاں ہو جا۔

یہ سنتا تھا کہ نصوح اس خوف سے کہ ننگے ہونے سے میرا پردہ فاش ہوگا، بے ہوش ہوگیا اور اس کی روح عالم بالا کی سیر میں مشغول ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کے بحرِ رحمت کو اس وقت جوش آیا اور حق تعالیٰ کی قدرت سے نصوح کی پردہ پوشی کے لیے بلا تاخیر فوراً ہیرا مل گیا۔ اچانک آواز آئی کہ وہ گمشدہ ہیرا مل گیا ہے۔

اب بے ہوش نصوح بھی ہوش میں آگیا تھا اور اس کی آنکھیں سینکڑوں دنوں کی روشنی سے زیادہ روشن تھیں کیونکہ عالمِ بے ہوشی میں نصوح کی روح کو حق تعالیٰ کی رحمت نے اپنی تجلیاتِ قرب کا مشاہدہ کرا دیا تھا، جس کے انوار اس کی آنکھوں میں ہوش میں آنے کے بعد بھی تاباں تھے۔

شاہی خاندان کی عورتیں نصوح سے معذرت کرنے لگیں اور عاجزی سے کہا کہ ہماری بدگمانی کو معاف کردو! ہم نے تم کو بہت تکلیف دی۔

نصوح نے کہا: ”یہ تو اللہ تعالیٰ کا مجھ پر فضل ہوگیا اے مہربانو! ورنہ جو کچھ میرے بارے میں کہا گیا ہے ہم اس سے بھی برے اور خراب ہیں۔“

اس کے بعد سلطان کی ایک بیٹی نے اس کو مالش اور نہلانے کو کہا، مگر نصوح چونکہ اللہ والا ہوچکا تھا اور بے ہوشی میں اس کی روح اللہ تعالیٰ کے قرب کے خاص مقام پر فائز ہوچکی تھی، اتنے قوی تعلق مع اللہ اور ایمان و یقین کی نعمت حاصل ہونے کے بعد گناہ کے ظلم کی طرف کس طرح رخ کرتا، کیونکہ روشنی کے بعد اندھیرے سے بہت ہی نفرت محسوس ہونا فطری امر ہے۔

نصوح نے شہزادی سے کہا: ”اے شہزادی! میرے ہاتھ کی طاقت اب ختم ہوچکی ہے اور تمہارا نصوح اب بیمار ہوگیا ہے، لہٰذا اب مالش کی ہمت نہیں ہے۔

چنانچہ اس بہانے سے اس نے اپنے کو گناہ سے بچالیا۔"

نصوح نے اپنے دل میں سوچا کہ میرا جرم حد سے گزر گیا، اب میرے دل سے وہ خوف اور غم کیسے نکل سکتا ہے۔

نصوح نے دل میں پکا فیصلہ کرلیا میں نے اپنے مولیٰ سے حقیقی توبہ کی ہے، میں اب اس توبہ کو ہرگز نہ توڑوں گا خواہ میرے تن سے میری جان بھی جدا ہو جائے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں کئی سبق حاصل ہوتے ہیں:

- ...... اپنی گندی حالت سے کبھی ناامید نہ ہونا چاہیے۔ حق تعالیٰ کی رحمت ہر حالت کی اصلاح پر قادر ہے۔
- ...... اللہ والوں سے دعا کی درخواست بھی اپنی اصلاح کے لیے کرنی چاہیے، جیسا کہ نصوح نے درخواست کی اور بامراد ہوا۔
- ...... حالتِ اضطرار میں اللہ تعالیٰ سے جس طرح نصوح نے رجوع کیا، ان کے اُس دردناک مضمون سے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی وانکساری اور گریہ وزاری کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے۔
- ...... نصوح کی طویل عمر گناہوں میں گزری تھی اور کس قدر خطرناک حالت تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے غیب سے راستہ پیدا کیا اور توبہ صادقہ کی توفیق بخشی اور حضرت نصوح رحمۃ اللہ علیہ سے جس انداز سے توبہ کا مضمون ذکر کیا ہے کہ خواہ جان جسم سے جدا ہو جائے مگر میں اپنی توبہ اور عہد کو نہ توڑوں گا، یہ ان کے اونچے رتبے اور بڑے حوصلے کی واضح دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی ہی توبہ نصوح کی توفیق عطا فرمائیں، آمین!

ایک بددین کا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مکالمہ

ایک دن ایک منکر بددین نے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے بحث و مباحثہ شروع کر دیا۔ آپ بالاخانہ پر تشریف فرما تھے۔ یہودی نے نیچے سے کہا: ''اے علی مرتضیٰ! (رضی اللہ عنہ) کیا اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر آپ کو اعتماد ہے؟''

آپ نے فرمایا: ''بے شک وہی ہمارا حفیظ ہے۔''

یہودی نے کہا: ''اے علی! (رضی اللہ عنہ) آپ اپنے کو بالاخانے سے نیچے گرا دیجیے اور حق تعالیٰ کی حفاظت پر اعتماد کیجیے تاکہ آپ کا اعلیٰ یقین میرے لیے یقین حاصل ہونے کا ذریعہ بن جائے اور آپ کی یہ عملی دلیل میرے حسن اعتقاد کا سبب بن جائے۔''

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''بندہ کو یہ حق کب پہنچتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش اور امتحان کی جرأت کرے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ہر وقت بندوں کا امتحان کرتا رہے۔''

اگر پہاڑ کے سامنے ایک ذرّہ پہاڑ کی بلندی کو دیکھ کر کہے کہ اچھا میں تجھے تولوں گا کہ تو کس قدر طول و عرض اور وزن والا ہے، تو اس بے وقوف کو ذرا سوچنا چاہیے کہ جب اپنے ترازو پر پہاڑ کو تولنے کے لیے رکھے گا تو اس کے وزن سے ترازو ہی چکنا چور ہو جائے گا، اس وقت نہ یہ ذرہ باقی ہوگا نہ اس کا ترازو سلامت رہے گا تو وزن کا خیال محض احمقانہ خیال ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی طرح نادان لوگ اپنے قیاس کے ترازو پر ناز کرتے ہیں اور اللہ والوں کو اپنے احمقانہ خیالی ترازو میں تولنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب اللہ والوں کا بلند مقام ان بے وقوفوں کے ترازو میں نہیں سماتا تو اللہ تعالیٰ اس گستاخی کی نحوست اور شامت کے سبب ان کے ترازو ہی کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اور یہ شخص مزید سے مزید حماقت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ اللہ والوں کی شان میں گستاخیاں اور اعتراضات کیا کرتے ہیں، ان کی عقل سے سلامتی روز بروز گھٹتی چلی جاتی ہے اور عملی حالت روز بروز تباہ ہوتی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھیں، آمین!

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شیطان سے گفتگو

ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر پر آرام فرما رہے تھے کہ تہجد کے وقت اچانک ایک شخص نے آپ کو بیدار کر دیا۔

جب آپ نے بیدار ہو کر دیکھا تو وہ شخص چھپ گیا۔ آپ نے دل میں سوچا کہ میرے گھر کے اندر اس وقت تو کوئی آ نہیں سکتا۔ ایسی جرأت کس نے کی ہے۔

پھر اچانک آپ کی نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک شخص دروازہ کی آڑ میں اپنا منہ چھپائے ہوئے کھڑا ہے۔ آپ نے دریافت کیا: تو کون ہے؟

اس نے جواب دیا کہ میرا نام ابلیس شقی ہے۔

آپ نے فرمایا: ”اے ابلیس! تو نے مجھے کیوں بیدار کیا ہے، سچ سچ بتا کیا وجہ ہے؟“

اس نے کہا چونکہ نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب تھا اس لیے جگایا، لہٰذا اب آپ کو مسجد کی طرف جلد دوڑنا چاہیے۔

آپ نے فرمایا: ”یہ ہرگز تیرا مقصد نہیں ہو سکتا کہ تو خیر کی طرف کبھی رہنمائی کرے، میرے گھر میں تو چور کی طرح گھس آیا اور کہتا ہے کہ میں پاسبانی کرتا ہوں اور خاص کر تجھ جیسا شخص جو راہزن بھی ہے، جلدی بتلا! کس وجہ سے مجھ پر تجھے اس قدر شفقت ہوئی ہے؟“

ابلیس نے جواب دیا کہ میں پہلے فرشتہ تھا اور اطاعت کے راستے کو اپنی جان سے طے کیا ہے۔ پہلا پیشہ دل سے کہیں بالکل نکل سکتا ہے؟ اور پہلی محبت بھلا دل سے زائل ہو سکتی ہے؟

میں نیکوں کو نیکی کا راستہ دکھاتا ہوں اور بُروں کو برے راستے کی پیشوائی کرتا ہوں۔ اگر آپ کو دین کے لیے میں نے بیدار کر دیا تو کوئی بات نہیں یہی ہماری اصل فطرت کا تقاضا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اے راہزن! (ڈاکو) مجھ سے بحث مت کر، تجھے میرے اندر گمراہ کرنے کا راستہ نہ مل سکے گا، میرے اندر گمراہی کا راستہ مت ڈھونڈ! سچ سچ بتا کہ تو نے مجھے نماز کے لیے کیوں بیدار کیا؟ تیرا کام تو گمراہ کرنا ہے۔ اس خیر کی دعوت میں کیا راز چھپا ہوا ہے جلدی جلدی بتا!“

اب مجبور ہو کر اصل راز بتلاتے ہوئے ابلیس نے کہا: حضور! بات یہ ہے کہ اگر آپ کی نماز فوت ہو جاتی تو آپ اللہ تعالیٰ کی جناب میں دردِ دل سے آہ و فغاں کرتے۔ آپ کے اس افسوس اور ندامت و عاجزی کے ساتھ رونے سے آپ کو اللہ تعالیٰ کا وہ قرب حاصل ہوتا جو دو سو رکعت نفل سے بھی حاصل نہ ہوتا، جس سے آپ کا درجہ بہت بلند ہو جاتا اور میں حسد سے جل کر خاک ہوتا، اس لیے میں نے سوچا کہ آپ کو بیدار کر دوں تاکہ آپ نماز ادا کر لیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا قرب حاصل نہ ہو جائے۔

میں نے اسی خوف سے آپ کو بیدار کر دیا تاکہ آپ کی دردِ دل سے نکلی آہ و فغاں کی وجہ سے حسد کے مارے جل نہ جاؤں۔

میں نیک انسان سے حسد کرتا ہوں، میں نے اسی وجہ سے ایسا کیا ہے چونکہ میں انسان کا دشمن ہوں، میرا کام حسد اور کینہ ہے، چنانچہ میں نے دشمنی کی وجہ سے یہ کیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کہ اب تو نے سچی بات کہی ہے اور حسد و دشمنی جو کچھ تو نے کی ہے تو اسی کے لائق ہے اور تیرا یہی اصل کام ہے۔''

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ کوتاہیوں اور خطاؤں پر ندامت اور گریہ وزاری سے شیطان کو کتنا غم ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت کس قدر ایسے بندہ پر متوجہ ہوتی ہے کہ بندہ اپنے عمل کے ذریعہ وہ درجہ حاصل نہیں کر پاتا جو ندامت اور شرمندگی کے باعث اس کو حاصل ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں کہ ندامت کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں گریہ وزاری کیا کریں، آمین!

❖ ...... اس واقعہ سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ کوتاہیوں اور غلطیوں پر شرمندگی سے جب قربِ الٰہی کا یہ حال ہے۔ اگر بندہ اپنے اعمال اور عبادات کی انجام دہی میں بھی شرمندگی وار بندگی کے آنسو شامل کر لے جیسا کہ اللہ والوں کی شان ہوتی ہے کہ عمل کے بعد بھی اتراتے نہیں، بلکہ پہلے سے زیادہ عجز و انکسار کا اظہار کرتے ہیں تو پھر جو درجات اور اللہ تعالیٰ کا بے حد و حساب قرب حاصل ہوگا اس کا کیا ٹھکانہ ہوگا!!

ایک ملّاح اور نحوی کا واقعہ

ایک نحوی (علم النحو کے ماہر) دریا عبور کرنے کے لیے کشتی پر سوار ہوا۔ دورانِ سفر سلسلۂ گفتگو چلا، تو ملاح نے دریافت کیا کہ حضور! آپ کس فن کے ماہر ہیں؟ فرمایا: ''کہ میں فنِ نحو کا امام ہوں اور ساتھ ہی ملاح کو نیچا دکھانے کے لیے کہا کہ افسوس! تو نے اپنی زندگی کشتی چلانے میں گنوادی، نحو جیسا فن نہ سیکھا۔''

ملاح بے چارہ شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا۔ قضائے الٰہی سے کشتی دریا کے عین درمیان طوفان میں پھنس گئی۔

ملاح نے اس وقت نحوی سے کہا کہ ''حضور! اب اپنے فن سے کچھ کام لیجیے! کشتی غرق ہوا چاہتی ہے۔''

حضور خاموش رہے کہ اس وقت نحو کیا کام دیتی، اس وقت تو تیراکی کے علم کی ضرورت تھی، جو اس نے حاصل ہی نہ کیا تھا جبکہ ملاح اس میں ماہر تھا۔

پھر ملاح نے کہا کہ ''اس وقت نحو کا کام نہیں، محو کا کام ہے، محض نحوی بننے سے کام نہیں چلتا، محوی بننے کی ضرورت ہے۔''

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ کے راستہ میں محویت (اللہ کے لیے مٹ جانا) کام دیتی ہے۔ محض قیل وقال سے کام نہیں چلتا بلکہ بعض اوقات اس قیل وقال (بحث ومباحثہ) سے ناز وغرور پیدا ہو جاتا ہے جو اہل اللہ سے تعلق پیدا کرنے میں عار کا سبب ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ ایسی محرومی سے محفوظ فرمائیں اور ہم کو فنائیتِ کاملہ عطا فرمائیں۔ آمین

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ آدمی کو اپنے کسی علم وفن پر غرور نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ مغرور آدمی کو اُس نحوی کی طرح بسا اوقات بہت جلد شرمندگی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

عقل منداور گنوار

ایک پڑھے لکھے کو اپنی عقل پر بڑا ناز تھا لیکن تھا نہایت خستہ حال۔ نہ سر پر ٹوپی نہ پاؤں میں جوتا، کپڑے پھٹے پرانے اور دو دو دن بھوکا رہتا تھا۔

ایک دن وہ کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک گنوار اونٹ پر سوار نظر آیا، جس نے دو بوریاں اونٹ کے دائیں بائیں لاد رکھی تھیں۔

عقل مند نے اس سے پوچھا: بھئی! ان بوریوں میں کیا بھر رکھا ہے؟ اس نے بتایا: ایک بوری میں گندم ہے، دوسری بوری میں ریت۔

عقل مند نے پوچھا: ریت بھری بوری کا کیا فائدہ؟ وہ بولا: یہ صرف گندم کی بوری کا توازن قائم رکھنے کے لیے ہے، تاکہ دونوں طرف وزن برابر رہے۔

عقل مند نے کہا: میں تمہیں ایک تجویز بتاتا ہوں جس سے بوجھ ہلکا ہو جائے گا اور وہ تجویز یہ ہے کہ ریت کی بوری خالی کر کے ریت پھینک دو اور گندم کی بوری سے آدھی گندم نکال کر اسی بوری میں بھر لو۔

گنوار اس کا منہ تکنے لگا اور سوچنے لگا بات تو اس نے بڑی عقل کی، کی ہے،

لیکن خود بڑا خستہ حال ہے۔اس کا سبب کیا ہے؟

پوچھنے لگا واقعی تم بڑے عقل مند ہو۔ میرے خیال میں تم بادشاہ کے وزیر ہو گے اور تمہارے پاس کافی دولت ہوگی۔

وہ بولا: میرے پاس تو ایک کوڑی بھی نہیں اور میں وزیر بھی نہیں ہوں، مفلس و قلاش اور بے کار ہوں۔

گنوار نے اس کی بات سن کر کہا: ''تو جناب آپ اپنی عقل اپنے پاس رکھیں۔ میں ان پڑھ اور گنوار ہی اچھا جو اونٹ پر سوار اور غلہ کا مالک تو ہوں۔''

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

آج کل کے پڑھے لکھے دانشور اپنے آپ کو بڑا عقل مند سمجھتے ہیں لیکن دین و عاقبت کے لحاظ سے نہایت خستہ حال ہیں۔ نہ سر پر خوف خدا کی ٹوپی، نہ پاؤں میں اللہ کی راہ پر گامزن ہونے کے جذبے کا جوتا۔ لباسِ تقویٰ پھٹا پرانا بلکہ اس لباس سے بالکل ہی ننگے۔ ذکرِ خدا جو غذائے روح ہے اس سے روح ان کی بالکل بھوکی، ایسے دانشور عام مسلمانوں کو گنوار سمجھ کر انہیں ترقی کی تجویزیں بتاتے ہیں۔

عام مسلمانوں میں مان لیا کہ ان کی سی دانشوری نہیں اور وہ سائنس کی باریکیاں نہیں جانتے، لیکن ان کا ان دانشوروں کو یہی جواب ہے کہ جناب آپ اپنی یہ ملحدانہ دانشوری اپنے پاس ہی رکھیں، ہم ان پڑھ اور گنوار ہی اچھے جو دین و مذہب پر قائم اور اللہ کے ذاکر تو ہیں۔

ایک شخص کی دانائی کا واقعہ

کسی ملک میں یہ دستور تھا کہ ایک معینہ مدت کے لیے بادشاہ کا تقرر کیا جاتا۔ مدتِ بادشاہت پوری ہو جانے کے بعد بادشاہ کو کسی ویران جزیرے میں بھیج دیا جاتا، جہاں کھانے پینے کے لیے نہ کوئی چیز ہوتی تھی اور نہ سر چھپانے کے لیے کوئی جگہ۔

اس جزیرے کا پانی اتنا کڑوا تھا کہ حلق سے نیچے نہ اترتا تھا الغرض! بادشاہ اس جزیرے میں چند دنوں کے اندر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بھوکا پیاسا مر جاتا تھا۔

بادشاہ کو موت کے حوالے کر کے ارکانِ سلطنت، بادشاہ کا تقرر اس طرح کرتے کہ شہر کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے، جو شخص سب سے پہلے انہیں نظر آ جاتا، اُسے اپنا بادشاہ بنا لیتے تھے۔

ایک دفعہ وہ ایک بادشاہ کو جزیرے کی نذر کر کے آئے اور دوسرے دن دروازے پر کھڑے ہو گئے۔

اچانک ایک غریب شخص نمودار ہوا، انہوں نے اجنبی کو پکڑا اور تخت پر بٹھا دیا۔

وہ بہت گھبرایا کہ کچھ مدت کے بعد اُسے بھی ویران جزیرے میں موت کے حوالے کر دیا جائے گا۔ وہ دن رات یہی سوچتا رہا کہ کسی نہ کسی طرح میں جزیرے کی سزا سے محفوظ رہوں آخر اسے ایک تدبیر سوجھی۔ جس پر اُس نے فوراً عمل کیا۔

اس نے حکم دے دیا کہ موجودہ دار الخلافہ کے بجائے اس ویران جزیرے کو دار الخلافہ بنا دیا جائے۔

تھوڑے ہی عرصہ میں بادشاہ نے ویران جزیرے کو آباد کر دیا۔ وہاں باغات

لگوائے، نہریں کھدوائیں، مکانات تعمیر کرائے۔ جب پورا شہر بن گیا تو اس نے پایۂ تخت کو وہاں منتقل کردیا۔ اب اسے جزیرے کی سزا کا کوئی اندیشہ نہ تھا کیونکہ وہاں زندگی کی تمام سہولتیں میسر آچکی تھیں۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

انسان کو اس جہان میں ایک معینہ مدت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ مدت عمر ختم ہوجانے کے بعد اسے دوسرے جہان بھیج دیا جائے گا جہاں کا منظر بڑا ہولناک ہے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حُفَاةً عُرَاةً (ایک جگہ فرمایا) يَعْرَقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الْاَرْضِ سَبْعِيْنَ ذِرَاعًا وَيُلْجِمُهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ اٰذَانَهُمْ

اور ایک اور مقام پر فرمایا:

تُدْنِي الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى تَكُوْنَ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ۔

(مشکوٰۃ ص ۴۸۳ باب الحشر)

قیامت کے دن لوگ پسینہ بہائیں گے، یہاں تک کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر گز تک پہنچ جائے گا اور ان کا پسینہ ان کے مونہوں تک لگام کی طرح پہنچ جائے گا، اور پھر کانوں تک جا پہنچے گا، اور سورج مخلوق کے نزدیک کردیا جائے گا یہاں تک کہ ایک میل تک دور رہ جائے۔ اس کی گرمی سے بعض لوگوں کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک، بعضوں کے گھٹنوں تک، بعضوں کی کمروں تک اور بعضوں کا مونہوں تک پہنچ جائے گا۔

یعنی اگلے جہاں میں نہ کوئی سر چھپانے کی جگہ ہوگی اور نہ کھانے پینے کی کوئی چیز اور گرمی سے بچنے کے لیے نہ کوئی سایہ ہوگا، عجب ہولناک منظر ہوگا۔

اس جہاں کو آباد کرنے کے لیے ہمیں اس جہاں میں ایسی کوشش کرنی چاہیے

جن سے ہم اس جہاں کی سزا سے بچ سکیں۔

ہمیں چاہیے کہ اگلے جہاں میں ہم اپنے لیے باغات لگوائیں، نہریں کھدوائیں اور اس جہاں کو اپنے لیے جنت بنالیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ

(الحشر،۱۸)

ہر شخص دیکھے کہ اس نے اگلے جہاں کے لیے کیا لگایا۔

اور ایک مقام فرمایا:

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا

(المزمل:۲۰)

اپنے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے، اسے اللہ کے پاس بہتر اور بڑے ثواب کی چیز پاؤ گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جسے جنت میں اپنے لیے گھر بنانا ہو وہ یہاں تعمیر مسجد میں حصہ لے، گویا دوسرا جہان آباد کرنے کے لیے اس جہان میں جان و مال کی قربانی دے کر صدقات و خیرات اور زکوٰۃ ادا کر کے مسلمان اپنے اگلے جہان میں اپنے لیے گھر اور باغات بنوا سکتے ہیں اور نہریں جاری کرا سکتے ہیں۔

چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔

(التوبہ:۸۹)

''جوانؐ (رسول) کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا، انہیں کے لیے بھلائیاں ہیں اللہ نے ان کے لیے جنتیں تیار کر رکھی ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہی بڑی مراد ملتی ہے۔''

معلوم ہوا کہ جو دانا لوگ اپنی اس عمر میں نیک کام کرتے ہیں وہ اپنی عاقبت کو بہتر بنا لیتے ہیں اور اگلا جہان ان کے لیے ویران جزیرے کی طرح ہولناک نہیں رہتا، بلکہ ایک ایسا لاثانی شہر بن جاتا ہے جس میں ہر پسندیدہ چیز مل سکتی ہے۔

چار اندھوں میں اختلاف کا واقعہ

بغداد کے بازار میں چار اندھے بھیک مانگ رہے تھے۔ ایک اندھا عرب کا تھا، دوسرا ایران کا، تیسرا ترکی اور چوتھا ہندوستانی تھا۔

ایک شخص نے ان چاروں اندھوں کو ایک روپیہ دیا اور کہا، جاؤ ایک روپیہ کی کوئی چیز لے کر چاروں آپس میں بانٹ لو۔

روپیہ لے کر چاروں آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ روپیہ کا کیا خریدیں؟ ہندوستانی بولا میں داکھیں کھاؤں گا۔ ایرانی فقیر نے کہا میں انگور کھاؤں گا۔ ترکی نے کہا میں تو روزم منگواؤں گا۔ آخر میں عربی بھکاری بولا میں عنب کھاؤں گا۔ داکھیں، انگور، روزم اور عنب چاروں نام انگور ہی کے ہیں۔ چیز ایک تھی لیکن نام ہر زبان میں الگ الگ تھے۔

چنانچہ نام کے اس اختلاف سے چاروں اندھے آپس میں الجھ پڑے اور اپنی اپنی زبان کے مطابق ہر ایک اصرار کرنے لگا کہ جس چیز کا میں نے نام لیا ہے میں تو

وہی کھاؤں گا حتی کہ ہاتھا پائی اور لڑائی تک نوبت پہنچ گئی۔

اتفاقاً وہاں ایک سمجھ دار آدمی آ گیا۔ اس نے اندھوں کا جھگڑا معلوم کیا تو ان سے کہنے لگا: ''روپیہ مجھے دو! میں بازار سے تم میں سے ہر ایک کی منشاء کے مطابق چیز لے آتا ہوں''۔

چنانچہ انہوں نے روپیہ اسے دے دیا، اور وہ بازار سے انگور خرید لایا اور اندھوں کے سامنے انگور رکھ دیے۔ چونکہ اپنی اپنی زبان میں چاروں انگور ہی کے طالب تھے اس لیے انگور پا کر چاروں خوش ہو گئے کہ ہماری منشاء کے مطابق چیز مل گئی۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

جہالت کے سبب آپس میں جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیے گئے واقعہ میں جھگڑا ہوا حالانکہ مقصد چاروں کا ایک ہی تھا مگر جہالت کے سبب وہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے جبکہ عقل مند دانا آدمی جھگڑے کرتے نہیں بلکہ جھگڑے مٹاتے ہیں۔

دنیا بھر کے مسلمانوں کا دین اسلام ہے اور یہی ایک چیز ہے جسے ہر مسلمان چاہتا ہے، لیکن جو لوگ زبان کے اختلاف میں پڑ جاتے ہیں، کوئی کہتا ہے میں بنگالی ہوں، کوئی یہ کہ میں سندھی ہوں، کوئی یہ کہ میں پنجابی ہوں، کوئی کہتا ہے میں بلوچی ہوں، اور کوئی یہ کہتا ہے کہ میں سرحدی ہوں۔ ایسے لوگ ان اندھوں کی طرح ہیں جو محض زبان کے اختلاف سے آپس میں الجھ پڑتے ہیں۔

اے کاش! ان لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ جائے کہ یہ سب زبانی جھگڑے ہیں اصل مقصود تو سب کا اسلام ہی ہے۔

جاہلوں کا نماز کے دوران بولنا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چار جاہل کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تو ایک گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گئے۔ وضو کر کے ایک نے اذان دی، ایک امام بن گیا اور تین مقتدی بن گئے۔

جماعت ہونے لگی اتنے میں مسجد کا امام آگیا اور اسے علم نہ تھا کہ اندر جماعت ہو رہی ہے۔ اس نے اپنے وقت پر اذان دینا شروع کر دی۔

جاہلوں میں سے ایک مقتدی نماز پڑھتے ہوئے ہی بولا: مولوی صاحب! ''اذان ہو چکی ہے، دوبارہ نہ دیجیے۔''

دوسرا مقتدی بولا: ''بے وقوف! نماز پڑھتے ہوئے بولنا جائز نہیں۔''

تیسرے نے جھٹ کہا: ''واہ بھئی واہ! دوسروں کو نصیحت کر رہے ہو کہ نماز میں بولنا جائز نہیں حالانکہ تم خود بھی بول رہے ہو۔''

چوتھا جاہل جو امام بن کر جماعت کرا رہا تھا کہنے لگا: ''الٰہی! تیرا شکر ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے میں نہیں بولا، مجھے تو نے ہی ثابت قدم رکھا۔''

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

ہر شخص دوسروں کو تو بڑی بڑی نصیحتیں کرتا ہے لیکن اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ دوسروں کا عیب نظر آ جانا آسان ہے مگر اپنا عیب دیکھنا مشکل ہے۔

آج بھی یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ جمعہ کی نماز کا خطبہ ہو رہا ہے اور سب خاموشی کے ساتھ سن رہے ہیں۔ اگر کوئی بولے تو ساتھ والے صاحب اسے ارشاد

فرمائیں گے، بھئی! خطبہ سنتے وقت بولنا جائز نہیں۔ گویا جس عیب سے منع کرتے ہیں نہیں جانتے کہ اسی عیب کا ارتکاب وہ خود بھی کر رہے ہیں۔

بوڑھے مریض اور حکیم کے درمیان دلچسپ مکالمہ

ایک بوڑھا مریض کسی حکیم کے پاس آیا اور کہنے لگا: حکیم صاحب! مجھے دماغی تکلیف رہتی ہے۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ بڑے میاں! اس کی وجہ تمہارا بڑھاپا ہے۔

اس نے کہا میری نظر بھی کمزور ہے۔ حکیم صاحب نے بتایا اس کی وجہ بھی بڑھاپا ہے۔

بوڑھے نے کہا میری کمر میں بھی درد رہتا ہے۔ حکیم صاحب نے بتایا اس کا باعث بھی بڑھاپا ہے۔

بوڑھے نے کہا کہ چورن کے بغیر میری غذا بھی ہضم نہیں ہوتی۔ حکیم صاحب نے بتایا اس کا سبب بھی بڑھاپا ہے۔

بوڑھے نے کہا میرے لیے چلنا پھرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ حکیم صاحب بولے اس کی وجہ بھی بڑھاپا ہے۔

بوڑھے نے کہا میری کمر بھی کمان کی طرح دوہری ہو گئی ہے۔ حکیم صاحب نے کہا اس کی وجہ بھی بڑھاپا ہے۔

بوڑھا مریض جھنجلا اٹھا اور غصہ میں آ کر کہنے لگا: تمہیں سوا اس کے کچھ اور آتا بھی ہے یا نہیں؟ ہر بات کا ایک ہی جواب! بڑے حکیم بنے پھرتے ہو! لیکن میرے خیال میں تم بالکل جاہل اور احمق ہو، تم ہرگز کچھ نہیں جانتے۔

حکیم صاحب نے بوڑھے مریض کو غصے میں آتے دیکھ کر کہا کہ بڑے میاں! یہ جو تم غصے میں آ گئے ہو اور مجھ پر برسنے لگے ہو، اس کی وجہ بھی یہی بڑھاپا ہے کیونکہ بڑھاپے کے باعث اعضائے رئیسہ کمزور پڑ جاتے ہیں اور صبر و تحمل کی طاقت بھی جاتی رہتی ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

مغربی تہذیب کا کوئی مریض کسی مولوی صاحب سے اگر پوچھے مولوی صاحب! ملک میں بے چینی و پریشانی بہت بڑھ گئی ہے تو مولوی صاحب جواب دیں گے، مسٹر! اس کی وجہ مغربی تہذیب ہے۔

وہ پوچھے مولوی صاحب! پہلے زمانہ میں تو سو سال کے بزرگ عینک کے بغیر پڑھ لکھ لیتے تھے۔ اب چھوٹے چھوٹے بچوں کی بھی نظر کمزور ہو گئی اور عینکیں لگائے پھرتے ہیں۔ مولوی صاحب جواب دیں گے۔ مسٹر! اس کا باعث بھی مغربی تہذیب ہے۔

وہ پھر پوچھے کہ مولوی صاحب! موجودہ ہوشربا گرانی نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ مولوی صاحب جواب دیں گے اس کا باعث بھی مغربی تہذیب ہے۔

وہ پھر پوچھے اب تو رشوت لیے بغیر غذا بھی ہضم نہیں ہوتی۔ مولوی صاحب جواب دیں گے اس کا باعث بھی یہی مغربی تہذیب ہے۔

وہ پھر پوچھے اب تو جیب کتروں، بدمعاشوں اور ٹھگوں کی کثرت کے باعث گھر سے باہر نکلنا اور چلنا پھرنا بھی دشوار ہو گیا ہے تو مولوی صاحب جواب دیں گے، اس کی وجہ بھی مغربی تہذیب ہے۔

اب مسٹر غصہ میں آ جاتا ہے اور جھنجھلا کر کہنے لگتا ہے تمہیں اس کے سوا اور کچھ آتا بھی ہے یا نہیں؟ بڑے مولوی بنے پھرتے ہو، سوائے ایک ہی بات کے اور کوئی

جواب ہی نہیں آتا۔ مولوی تو ہوتے ہی جاہل اور احمق ہیں۔ انہیں کیا خبر کہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔

مولوی صاحب فرمائیں گے مسٹر! یہ مولوی کے خلاف تمہارا جو لیکچر ہے اس کی وجہ بھی یہی مغربی تہذیب ہے، کیونکہ مغربی تہذیب کے باعث اسلامی جذبات کمزور پڑ جاتے ہیں۔ علمائے کرام کے ادب واحترام کی حس بھی جاتی رہتی ہے۔

ایک بھنگی عطر فروشوں کے بازار میں

ایک بھنگی اتفاقاً عطاروں کے بازار میں چلا گیا۔ جونہی اس کے دماغ میں طرح طرح کے عطروں کی خوشبو پہنچی غش کھا کر گر پڑا۔ عطر کی خوشبو نے اس کا دماغ چکرا دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مر ہی گیا۔

لوگ ہر طرف سے اس کے گرد جمع ہو گئے اور اسے ہوش میں لانے کے لیے کوئی اسے پنکھا جھلتا تھا، کوئی اس کے منہ پر گلاب چھڑکتا تھا، کوئی عود کی دھونی دیتا تھا اور کوئی اس کے سر اور ہتھیلیوں کو سہلاتا تھا، لیکن وہ کسی تدبیر سے ہوش میں نہ آیا۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ اسے کیا ہوا۔ کوئی کہتا اسے مرگی کا دورہ پڑا ہے کوئی کہتا اس نے بھنگ پی لی ہے۔

ایک شخص دوڑا دوڑا گیا اور اس کے بھائی کو اس کی بے ہوشی کی اطلاع دے دی۔ اس کا بھائی ساری حقیقت سمجھ گیا اور کہیں سے کتے کی غلاظت لی اور اسے اپنی آستین میں چھپا کر وہاں پہنچا اور لوگوں سے کہا، ہٹ جاؤ اسے میں ہی ہوش میں لا سکتا ہوں۔ لوگ پرے ہٹ گئے۔ اس نے آستین سے غلاظت نکالی اور اسے سنگھا دی۔

چونکہ بھنگی دن رات نجاست اور بدبو میں غرق رہتا تھا اور اس کے دماغ میں بدبو بس گئی تھی، اب جو عطاروں کے بازار میں آکر اس کے دماغ میں عطر کی خوشبو پہنچی تو وہ اس کو برداشت نہ کرسکا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس کے بھائی نے یہ نکتہ سمجھ لیا تھا کہ اس بیماری کو صرف بدبو ہی دور کرسکتی ہے۔ چنانچہ جب بھنگی کے دماغ میں بدبو پہنچی تو وہ جھٹ اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس کا بھائی اسے وہاں سے لے آیا۔

لوگ بڑے حیران ہوئے کہ خدا جانے اس کے بھائی نے کیا جادو کیا ہے اور اس کے پاس کون سی اکسیر تھی جس سے وہ جھٹ ہوش میں آگیا۔ انہیں کیا خبر تھی کہ بھنگی کا دماغ جس بدبو کا عادی تھا اس کے برعکس اس کا دماغ خوشبو کو برداشت نہ کرسکا اور بے ہوش ہوگیا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... دنیا ایک مردار ہے خدا کو بھول کر جو لوگ ہر وقت اسی کی بدبو میں غرق رہتے ہیں ان کے دماغوں میں یہ بدبو بس جاتی ہے۔ ایسے لوگوں میں سے اگر کوئی بھول کر مسجد میں آجائے تو وہاں ذکرِ حق اور اذان و نماز کی خوشبو کو اس کا دماغ برداشت نہیں کرسکتا اور وہ گویا غش کھا کر گر جاتا ہے۔ جب تک مسجد میں رہتا ہے مشکل میں پھنسا رہتا ہے۔ مسجد سے باہر نکلتے ہی پھر جو اس کے دماغ میں دنیا کی بدبو پہنچتی ہے تو وہ ہوش میں آجاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ مومن مسجد میں ایسے ہوتا ہے جیسے پانی میں مچھلی، اور منافق ایسے جیسے پنجرے میں پرندہ۔

❖ ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ فلمی گانوں، فحش گوئیوں اور عریاں غزلوں کے شیدائی ہیں، ان کے دماغ قرآن کی تلاوت، حمد باری اور نعتِ رسول کو

برداشت نہیں کرسکتے۔ جب تک کسی ملکہ ترنم کی آواز ان کے کانوں میں نہ پہنچے۔ انہیں چین نہیں آتا۔

ایک درزی اور سپاہی کا واقعہ

چند دوست ایک جگہ بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ باتوں ہی باتوں میں ایک درزی کی بات چل نکلی سب کہنے لگے بھئی! وہ بڑا ہی چالاک وعیار درزی ہے۔ کوئی لاکھ ہوشیاری سے کام لے لیکن وہ درزی کپڑے سے کچھ کپڑا چوری کر ہی لیتا ہے اور ایسا استاد ہے کہ پتا بھی نہیں لگنے دیتا۔

ان میں ایک سپاہی بھی تھا جسے اپنی دانائی پر بڑا ناز تھا۔ وہ کہنے لگا: رہنے دو یار کیسی باتیں کرتے ہو! وہ درزی کتنا بڑا بھی چالاک کیوں نہ ہو مجھے وہ ہرگز دھوکا نہیں دے سکتا۔

لو میں شرط لگاتا ہوں کل ہی اپنے کوٹ کا کپڑا اس کے پاس لے کر جاؤں گا اور کہوں گا کہ میرے سامنے اس کی کٹائی کرو اور میرا کوٹ تیار کرو، پھر دیکھوں گا وہ میرے سامنے کس طرح میرے کپڑے سے کپڑا چراتا ہے۔ اگر واقعی اس نے میرے کپڑے سے کچھ کپڑا چرا لیا تو میں اپنا گھوڑا تمہیں دے دوں گا۔

یہ شرط لگا کر دوسرے دن وہ کوٹ کا کپڑا لے کر درزی کے پاس گیا اور کہنے لگا ماسٹر صاحب! یہ میرے کوٹ کا کپڑا لو اور میرا کوٹ تیار کرو۔ میں نے تمہاری چالاکی واستادی کے یہاں بڑے قصے سنے ہیں لیکن ماسٹر صاحب! میں بھی کچھ کم نہیں ہوں۔ آپ کے داؤ میں نہیں آؤں گا۔ کپڑے کی کٹائی ابھی میرے سامنے کرو۔

ماسٹر صاحب نے کہا قبلہ! تشریف رکھیے! یہ آپ کے دل میں میرے متعلق کس نے شک ڈال دیا ہے۔ ساری عمر گزر گئی کام کرتے ہوئے مگر حرام ہے جو ایک گز تک بھی کسی کا کپڑا چرایا ہو۔ میں جانتا ہوں آپ سپاہی مرد ہیں، ہوشیار ہیں اور بڑے دانا ہیں۔ بھلا میں آپ کے ساتھ ایسا کر بھی کیسے سکتا ہوں۔

سپاہی نے کپڑا دیا اور درزی نے اسے کاٹنا شروع کیا۔ سپاہی نے قینچی پر اپنی نظریں گاڑ دیں، درزی بڑا مسخرہ اور لطیفہ باز تھا۔ کپڑا کاٹتے وقت درزی نے ایک ایسا لطیفہ سنایا جس کے باعث سپاہی کا ہنسی کے مارے برا حال ہو گیا۔ اتنا ہنسا کہ ہنستے ہوئے اس کے پیٹ میں بل پڑنے لگے، اسی عالم میں ہنستے ہوئے ذرا آگے کی طرف جھکا تو درزی نے جھٹ ایک گرہ کپڑا کاٹ لیا، سپاہی سیدھا ہوا تو کہنے لگا: ماسٹر صاحب! بڑا مزے دار لطیفہ سنایا ایک اور سناؤ۔

درزی نے ایک اور لطیفہ پہلے لطیفہ سے بھی زیادہ ہنسانے والا سنا دیا۔ سپاہی پھر ہنسا اور اتنا کہ ہنستے ہنستے اس کا سر زمین پر جا لگا۔ درزی نے موقع پا کر کچھ کپڑا اور کاٹ لیا۔

سپاہی ہنستے ہنستے جب ذرا سنبھلا اور سر اٹھایا تو کہنے لگا: ماسٹر صاحب! ایک لطیفہ اور بھی۔

درزی نے کہا میاں سپاہی! ایک لطیفہ اور بھی سنا تو دوں مگر پھر تمہارا کوٹ بہت ہی تنگ ہو جائے گا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

شیطان بڑا مکار و عیار اور چالاک ہے۔ اسے دنیوی شہوتوں کے ہزاروں لطیفے اور چٹکلے یاد ہیں۔ یہ ان لطیفوں اور چٹکلوں میں انسان کو الجھا کر انسان کو اپنے ایمان سے غافل کر کے اپنی شیطانی قینچی سے اس کا ایمان کاٹ لیتا ہے۔

انسان کو اپنے زہد و تقویٰ پر ناز کر کے کبھی شیطان کا سامنا نہیں کرنا چاہیے یعنی اس کی باتوں میں نہ آنا چاہیے، ورنہ اس کی باتیں دنیوی خواہشات و لذات میں منہمک کر کے اُسے موقع مہیا کر دیتی ہیں کہ وہ موقع پا کر انسان کا زہد و تقویٰ سب برباد کر دے۔

مٹی کھانے والے شخص کا واقعہ

ایک آدمی گِل خور تھا یعنی اسے مٹی کھانے کی بری عادت تھی۔ اسے ایک روز شکر کی ضرورت پڑی۔

شکر کی دکان پر پہنچا تو اس نے کہا: ''جناب! شکر تو میرے پاس ہر قسم کی ہے لیکن باٹ میرے پاس مٹی کے ہیں لوہے کے نہیں۔''

گِل خور نے کہا: ''جناب! مجھے شکر چاہیے باٹ لوہے کے ہوں یا مٹی کے مجھے اس سے کیا!! اور دل میں خوش ہوا کہ مٹی کھانے کو یہاں بھی مل گئی، موقع ملا تو اس کے باٹ چکھوں گا۔''

چنانچہ دکاندار نے ترازو کے پلے میں باٹ رکھے اور شکر لانے کے لیے اندر گیا تو گل خور نے موقع پا کر ایک باٹ کو اٹھایا اور دانتوں سے اس کی کچھ مٹی کتر کر کھالی۔ لطف آیا تو دوسرے باٹ سے کچھ مٹی توڑ کر جیب میں بھی ڈال لی۔

دکاندار نے اس کی یہ حرکت دیکھ لی اور دل میں کہا خوب کھا! میرا کیا نقصان، نقصان تو تیرا ہی ہوگا کہ اتنی شکر تمہیں کم ملے گی۔

چنانچہ انہی باٹوں سے شکر تولی گئی۔ گل خور بڑا خوش خوش گھر لوٹا، وہ سمجھا کہ شکر بھی پوری لے آیا ہوں اور اس کے باٹ کی کچھ مٹی کھا بھی آیا ہوں، کچھ لے بھی آیا ہوں۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

خائن اور چور سمجھتا تو یہ ہے کہ میں نے بڑا کمال کیا کہ پرایا مال اڑا لیا، لیکن یہ خبر نہیں ہوتی اور یہ نہیں سمجھا کہ یہ نقصان میں اپنا ہی کر کے آیا ہوں خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ کا مصداق بن کر وہ اپنی دنیا اور دین بھی برباد کر کے واپس آتا ہے۔

دنیا کا نقصان تو اس طرح کہ مٹی کھا اور چرا کر باٹ ہلکے کر دیے جس کے باعث اسے شکر کم ملی، اور دین اس طرح کہ پرائے باٹ کھا اور چرا کر چور بنا اور مٹی کھا کر جس کا کھانا حرام ہے حرام خور بنا۔

معلوم ہوا کہ کسی بھائی کا نقصان کرنا در حقیقت اپنی جان پر ظلم کرنا ہے۔ چور، خائن، ڈاکو وغیرہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ کے مطابق یہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

یہ تو پہلے زمانہ کی بات ہے اب تو گاہکوں کی سہولت کے لیے دکانداروں نے اپنے باٹ خود ہی کم وزن کے رکھ چھوڑے ہیں، تاکہ گاہک کو توڑنے اور کھانے کی تکلیف ہی نہ کرنا پڑے۔

اِدھر دکانداروں نے اپنا یہ فن پیش کیا اُدھر ترقی یافتہ گاہکوں نے یہ فن پیدا کر لیا کہ سودا لو اور پیسے کھا جاؤ۔

چنانچہ ایک ایسا ہی ترقی یافتہ گاہک مٹھائی کی ایک دکان پر گیا اور برفی کا بھاؤ پوچھا، دکاندار نے پانچ روپے سیر بتایا، کہا سیر بھر برفی تول دو۔ دکاندار نے سیر بھر برفی تولی اور ڈبہ میں بند کر کے دی۔

گاہک نے ڈبہ پکڑ کر پوچھا گلاب جامن کا کیا بھاؤ ہے؟ دکاندار نے بتایا یہ بھی پانچ روپے سیر ہیں۔

گاہک نے برفی کا ڈبہ لوٹا کر کہا، تم یہ برفی رکھ لو اور سیر بھر گلاب جامن دے دو۔ دکاندار نے برفی لے لی اور سیر بھر گلاب جامن ڈبے میں بند کر کے دے دیے۔

ترقی یافتہ گاہک ڈبہ لے کر چل پڑا۔ دکاندار نے کہا: بابو جی! پیسے تو دیتے جایئے۔

گاہک بولا پیسے کس کے؟ وہ بولا گلاب جامنوں کے۔

گاہک بولا بھلے آدمی گلاب جامن تو میں نے برفی کے بدلے لیے ہیں۔

دکاندار نے کہا اچھا تو برفی کے پیسے ہی دے دو۔

ترقی یافتہ گاہک بولا برفی کا ڈبہ تو میں نے واپس کر دیا ہے پھر پیسے کیسے؟ یہ کہا اور چلتا بنا۔

دیکھا آپ نے ترقی یافتہ دور کا کمال! پہلے لوگ اگر گل خور تھے تو آج کل کے لوگ خزانے کے مال کو اپنا ذاتی مال اور جاگیر سمجھ کر ہڑپ کر رہے ہیں۔

مگرمچھ کے آنسو

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی قافلے نے رات کو کسی جگہ پڑاؤ ڈالا تو قافلے کا پاسبان رات کو سو گیا۔ چور آئے اور اہل قافلہ کا تمام مال و متاع لوٹ کر لے گئے۔

دن ہوا تو قافلے والے بیدار ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اونٹ گھوڑے اور ساز و سامان غائب ہے۔ چوکیدار زور زور سے رو رہا تھا۔ وہ آنکھیں نکال کر ہوا میں چابک چلا رہا تھا۔

لوگوں نے مال و متاع کے بارے میں پوچھا تو چوکیدار نے کہا کہ رات کو چور آئے تھے، وہ سب کچھ لوٹ کر لے گئے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ تم اس وقت کہاں تھے؟ چوکیدار بولا کہ میں اکیلا تھا وہ تعداد میں زیادہ تھے، اور سب کے سب مسلح تھے۔ میں اکیلا ان کا کیا بگاڑ سکتا تھا؟

انہوں نے کہا تم نے ہمیں کیوں نہ جگایا؟ اس نے کہا وہ مجھ کو تلواریں دکھا کر کہنے لگے کہ اگر آواز نکالی تو تمہیں قتل کر دیں گے۔

قافلے والوں نے غصے میں آ کر کہا کہ نالائق انسان! اب کیوں رو رہے ہو؟ اور ہوا میں چابک کیوں چلا رہے ہو۔

چوکیدار نے جواب دیا کہ مال کے غم میں رو رہا ہوں اور ہوا میں چابک اس لیے چلا رہا ہوں کہ چوروں پر کچھ تو بھڑاس نکال لوں، اور ان چوروں کو کچھ تو پتا چلے کہ میں بزدل نہیں ہوں، دلیر و شیر اور بہادر ہوں۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

کربلا کے میدان میں متاعِ اہل بیت لٹ رہی تھی اور اہل کوفہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، پھر جب سب کچھ لٹ گیا تو کوفہ کے بازاروں میں روتے پیٹتے نکل آئے۔

وہ ہوا میں مکّے لہرا کر یزید کے خلاف دل کی بھڑاس نکال رہے تھے۔ بھلا اس گریہ وزاری سے اہل بیت کے زخم مندمل ہو سکتے تھے؟ مزا تو جب تھا کہ اپنی جان پر کھیل کر اہلِ کوفہ، حقوقِ اہل بیت کا تحفظ کرتے، وہ تو ان سے نہ ہو سکا، البتہ آنسوؤں کا سیلاب ہے جو بہائے جا رہے ہیں، لیکن بعد کا رونا کس کام کا؟

دانائے روم فرماتے ہیں:

چشم کوراں آن خسارت!
گوش کراں ایں حکایت ہا شنید
خفتہ بودید اکنوں شما!

تاکنوں جامہ درید ید از عذا

پس عزا بر خود کنید اے خفتگان

زاں کہ بد مرگیست ایں خواب گراں

روح سلطانے ززندانے بجبت

جامہ چوں دریم و چوں خائیم دست

(۱)...... اندھوں نے وہ خواریاں دیکھ لیں۔ بہروں نے مصائب اہل بیت کی کہانیاں سن لیں۔

(۲)...... کیا تم ابھی تک سوئے پڑے تھے۔ اب صدمہ میں کپڑے پھاڑ رہے ہو۔

(۳)...... پس اے سونے والو! اپنا ماتم کرو کیونکہ یہ خوابِ غفلت ہی بری موت ہے۔

(۴)...... سلطان (حضرت حسینؓ) کی روح تو قید خانہ (دنیا) سے آزاد ہوگئی۔ ہم سوگ کیوں کریں؟ اور کپڑے کیوں پھاڑیں؟

مسجد میں سیاسی نماز

ایک بادشاہ بڑی شان وشوکت کے ساتھ جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے جارہا تھا۔

چاروں طرف پولیس اور باڈی گارڈ تھے جو بادشاہ کے لیے راستہ صاف کرتے چلے جارہے تھے اور زور زور سے پکار رہے تھے باادب! باملاحظہ! ہوشیار شہنشاہ عالم کی سواری آرہی ہے۔ چوب زن چاروں طرف چابک لہرارہے تھے۔ کسی کو سر پر چابک پڑتی تو کسی کی کمر پر لوگ گھبرا کر ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔

ایک مردِ قلندر سڑک کے کنارے کھڑا عوام کی افراتفری کا منظر دیکھ رہا تھا۔ بادشاہ کی سواری قریب آئی تو اس نے بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا ''اے ظالم''! تو جامع مسجد میں نیکی کے ارادے سے جا رہا ہے اور حالت یہ ہے کہ لوگ چابک کھا کھا کر زخمی ہو رہے ہیں۔ جب تُو ظلم کا ارادہ کرتا ہوگا تو اس وقت تیرے شر اور فساد کا کیا عالم ہوتا ہوگا؟

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

نماز پڑھنا ضروری عبادت ہے اور حقوق اللہ میں سے ہے اور مخلوقِ خدا سے اچھا سلوک کرنا اور انہیں نہ ستانا بھی عبادت ہے اور یہ حقوق العباد میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے حقوق العباد کو مقدم رکھا ہے۔ جو شخص نماز تو پڑھتا ہے لیکن خدا کی مخلوق کو ستاتا ہے، وہ بہت بڑا مجرم ہے۔

❖ ...... معلوم ہوا کہ حقوق اللہ کو ادا کرنے والا اور حقوق العباد کا خیال نہ رکھنے والا اگر مجرم ہے تو جو شخص حقوق اللہ کی پرواہ نہیں کرتا وہ حقوق العباد کی پرواہ کب کرے گا۔

اسی لیے بزرگوں نے لکھا ہے کہ بے نماز آدمی کو قرض نہ دو، کیونکہ جب وہ خدا کا فرض ادا نہیں کرتا تو وہ تمہارا قرض کب ادا کرے گا۔

❖ ...... معلوم ہوا کہ بعض حکمران نماز بھی اپنی سیاست چمکانے کے لیے پڑھتے ہیں اور شاہی غرور کے ساتھ مسجد میں جاتے ہیں۔

سوال گندم جواب چنا

ایک بوڑھا ایک سنار کے پاس آیا اور بولا بھئی سنار میں سونا تولنا چاہتا ہوں۔ ذرا ترازو تو دینا۔

میرے پاس جھاڑو نہیں ہے۔ سنار نے جواب دیا تو وہ شخص بولا:

''عجیب مذاق ہے! میں ترازو مانگ رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ میرے پاس جھاڑو نہیں ہے'' ''میرے پاس چھلنی بھی نہیں ہے''، سنار نے جواب دیا۔

اب تو وہ شخص غصے میں آگیا اور کہنے لگا کہ تم اگر ترازو نہیں دینا چاہتے تھے تو صاف انکار کردیتے یہ مناسب تھا، لیکن لایعنی جواب دے کر تم نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے۔

سنار نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا: ''بخدا! میں نے آپ کے ساتھ مذاق ہرگز نہیں کیا، میں نے دیکھا کہ بڑھاپے کے باعث آپ کے ہاتھ کانپ رہے ہیں اور میں نے سوچا کہ آپ سونا تولیں گے تو یقینا کچھ ذرات نیچے گر جائیں گے، پھر آپ مجھ سے جھاڑو طلب کریں گے تاکہ مٹی کو جمع کیا جائے، اس کے بعد آپ کو چھلنی کی ضرورت پڑے گی تاکہ مٹی سے سونا ڈھونڈا جائے۔ ترازو گو موجود ہے لیکن جھاڑو اور چھلنی میرے پاس نہیں ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ آپ سونا تولنے کی زحمت گوارا نہ فرمائیں۔ اس خدمت کے لیے میں خود حاضر ہوں!''

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ کسی بھی کام کے آغاز سے پہلے انجام کو سوچ لینا چاہیے۔ جو لوگ انجامِ کار پر نظر نہیں رکھتے خسارے میں رہتے ہیں۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کہ اول بیں بود اعمی بود
ہر کہ آخر بیں بود بینا بود
ہر کہ اول بنگرد و پایان کار
اندر آخر اونگردو شرمسار
حکم چوں بر عاقبت اندیشی است
بادشاہی بندۂ درویشی است

ان اشعار کا مطلب یہ ہے کہ جو صرف آغاز پر نظر رکھے، اندھا ہے اور جو انجام کو پہلے سوچ لے وہ بینا ہے۔ جو شخص پایانِ کار کو پہلے سوچ لیتا ہے انجام کار اسے شرمندہ نہیں ہونا پڑتا چونکہ عاقبت اندیشی کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی لیے بادشاہی درویشی کی کنیز ہے، عاقل اور جاہل میں فرق یہ ہے کہ عاقل کی نظر انجام پر ہوتی ہے اور جاہل کی صرف آغاز پر۔

راست فرمود است باما مصطفی
قطب و شاہنشاہ و دریائے صفا
کاں چہ جاہل دید خواہد عاقبت
عاقلاں بینند اول مرتبت!

یعنی قطب زماں، شہنشاہِ کون ومکاں دریائے صفا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے بجا فرمایا ہے کہ جس چیز کو جاہل آخر میں دیکھتے ہیں، عاقل اسے پہلے ہی دیکھ لیتے ہیں۔

ایک جھوٹے عاشق کا واقعہ

ایک عاشق اپنے محبوب کے فراق میں برسوں تڑپتا رہا، وہ سخاوت کرتا، نذریں مانتا اور دعائیں مانگتا رہتا تھا کہ کسی طرح میرا محبوب مجھے مل جائے۔

ایک دن اس کے محبوب نے پیغام بھیجا کہ فلاں رات فلاں کمرے میں میرا انتظار کرنا، میں آدھی رات کے بعد آؤں گا۔

عاشق نے اس رات گھی کے چراغ جلائے کمرے کو خوشبویات اور عطریات سے معطر کردیا۔ محبوب کی آمد کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ آدھی رات تک وہ جاگتا رہا لیکن اس کے بعد عاشق کو نیند نے آلیا اور وہ سو گیا۔ ابھی تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اس کا محبوب وعدے کے مطابق آگیا۔

محبوب نے جب عاشق میاں کو دیکھا کہ وہ سو رہا ہے تو محبوب کہنے لگا کہ یہ اہلِ عشق میں سے ہرگز نہیں، دیدۂ مشتاق سے تو نیند دور رہتی ہے۔ اس نے اپنی جیب سے چند اخروٹ نکالے اور جھوٹے عاشق کی جیب میں ڈال دیے۔ اور یہ کہتا ہوا کمرہ سے باہر چلا گیا کہ ابھی تم بچے ہو۔ عشق کے قابل نہیں۔ اخروٹ کھیلا کرو۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ حِيْنَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ يَقُوْلُ مَنْ يَدْعُوْنِي فَاسْتَجِيْبُ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَاُعْطِيَهُ

یعنی اللہ تعالیٰ ہر رات کے آخری حصہ میں آسمانِ دنیا پر نزول فرما کر سناتا ہے،

مجھ سے جو دعا مانگو میں قبول کروں گا اور جو مانگو دوں گا۔

گویا خدا اپنے بندے سے رات کو ملنے کا وعدہ فرماتا ہے، لیکن آج کل کا مسلمان ساری رات سوتا ہے۔ اگر جاگتا ہے تو رات کے پہلے حصہ میں سینما اور اسمارٹ فون کی خرافات میں مبتلا ہو کر، فیس بک یوٹیوب اور موبائل کے گناہوں میں مبتلا ہو کر اور محبوبِ حقیقی خدا تعالیٰ کے ملنے کے وقت خوب گہری نیند سوجاتا ہے۔ موذن اگر اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کی آواز سے جگانا بھی چاہے تو نہیں جاگتا۔

ایسے بدنصیب اور جھوٹے عاشق کو خدا تعالیٰ سویا دیکھ کر یہی فیصلہ فرماتا ہے کہ یہ جھوٹا عاشق ہے اور اس کے دل میں کرکٹ و میچ کی محبت ڈال دیتا ہے کہ ابھی تم میرے عشق کے قابل نہیں۔ کرکٹ کھیلا کرو اور کمنٹری سنا کرو۔ یوں یہ شخص کھیل تماشوں میں لغویات اور گناہوں میں مشغول ہو کر اپنی عمرِ عزیز کا قیمتی حصہ برباد کر دیتا ہے۔

چینی اور رومی باشندوں میں نقش نگاری کا مقابلہ

ایک دفعہ چینی اور رومی میں یہ بحث چل پڑی کہ بہترین نقاش اور مصور کون ہیں۔

چینی کا دعویٰ تھا کہ جیسے ہم نقش و نگار کے ماہر ہیں ایسا کوئی نہیں۔ رومی کا دعویٰ تھا کہ نقاشی کا فن ہم ہی جانتے ہیں، ہمارے سوا دوسرا کوئی اس فن کا ماہر نہیں۔

آخر فیصلہ یہ ہوا کہ دو دیواریں ہوں جن کے درمیان ایک پردہ حائل ہو، تاکہ ایک دوسرے کو کوئی دیکھ نہ سکے پھر چینی ایک دیوار پر اپنے فن کا مظاہرہ کریں اور دوسری پر رومی۔ مدت ایک مہینہ کی ہو اور دونوں اپنے اپنے کمالات کا مظاہرہ کریں،

مہینہ بھر کے بعد درمیان سے پردہ ہٹا دیا جائے کہ کون اس فن میں بڑھا ہوا ہے۔

چنانچہ دو دیواریں مقرر کی گئیں درمیان میں پردہ لٹکا دیا گیا۔ چینیوں نے سینکڑوں قسم کے رنگ و روغن منگوائے اور دیوار پر نقش و نگار بنانے لگے۔ متواتر ایک مہینہ لگا کر انہوں نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور دیوار ایک پُر بہار باغ نظر آنے لگی۔

دوسری طرف رومیوں نے کوئی رنگ و روغن نہ منگوایا اور مہینہ بھر دیوار کو صیقل کرنے لگے اور رگڑ رگڑ کر اس کا سارا رنگ اتار کر اسے مثل آئینہ کے صاف وشفاف بنا دیا۔

مہینہ بھر کے بعد لوگ جمع ہوئے کہ دیکھیں کون اپنے فن میں بڑھا ہے۔ چینیوں کا نقش ونگار دیکھ کر سب عش عش کر اٹھے لیکن جب درمیانی پردہ اٹھایا گیا تو رومیوں کی صیقل کردہ دیوار جو آئینہ بن چکی تھی، چینیوں کے تمام نقش ونگار اس دیوار میں منعکس ہو کر اور بھی زیادہ خوبصورت نظر آنے لگے اور یہ عکس اصل سے بھی زیادہ خوبصورت نظر آنے لگا، اور اس طرح رومیوں کی جیت ہوگئی اور چینی ہار گئے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

سب سے بڑا کمال دل کی صفائی ہے۔ جو لوگ اپنے دل کو برے اخلاق اور رذائل سے صاف کر لیتے ہیں، ذکرِ حق کے صیقل سے دن رات دل کے زنگ کو دور کرنے میں لگے رہتے ہیں، ان کے دل حق نما آئینہ بن جاتے ہیں، اور خدا کے اوصاف کے مظہر بن جاتے ہیں، بلکہ ایسا دل خدا کا گھر بن جاتا ہے۔

مغربی تہذیب ظاہری نقش ونگار کی ماہر ہے۔ سرخی پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ سینکڑوں قسم کے سامان منگوا کر یہ ظاہری بناوٹ میں لگی رہتی ہے، لیکن اسلامی تہذیب ذکرِ حق اور معرفتِ الٰہی کی رگڑ سے دل کے صاف کرنے میں مصروف رہتی

ہے اور مصنوعی رنگ و روغن سے کام نہیں لیتی، جس کا نتیجہ یہ نظر آتا ہے کہ دل کی صفائی سے ایک ایسا حقیقی حسن و جمال نظر آنے لگتا ہے، جس کے سامنے مغربی تہذیب کا حسن ہیچ نظر آنے لگتا ہے۔

منہ دیکھ لیا آئینہ میں پر داغ نہ دکھا سینے میں
دل ایسا لگایا جینے میں مرنے کو مسلماں بھول گئے

سرخی و پاؤڈر سے تیار کردہ حسن کا یہ عالم ہے کہ پسینہ آیا تو حسن غائب، اور اہلِ دل کے حسن کا یہ حال ہے کہ حضور اِذَا رَأَوْا ذُكِرَ اللهُ انہیں دیکھیں تو اللہ یاد آجائے، معلوم ہوا کہ مغربی تہذیب انسان کو بوزینہ بناتی ہے اور اسلامی تہذیب دل کو آئینہ بناتی ہے۔

ایک یہودی اور عیسائی کے فریب سے مسلمان کا محفوظ رہنا

ایک مرتبہ یہودی، عیسائی اور ایک مسلمان تینوں اکٹھے سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ایک گاؤں میں انہوں نے قیام کیا۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا گاؤں والوں نے تینوں کو مسلمان سمجھا اور روزے کی افطاری کے لیے ایک شخص ان کے لیے حلوہ پکا کر ایک بڑے طباق میں لے آیا اور انہیں دے گیا۔

یہودی اور عیسائی دونوں نے مشورہ کیا کہ یہ ہمارا ساتھی مسلمان روزے سے تھا، اگر حلوہ اسی وقت کھایا گیا تو یہ زیادہ کھا جائے گا ہمارے حصے میں کم آئے گا، اس لیے کسی بہانے اس حلوے کا کھانا صبح تک ٹالیں، تاکہ یہ روزے سے ہو اور سارا حلوہ ہم دونوں کھا سکیں۔

چنانچہ وہ مسلمان ساتھی سے کہنے لگے: ''بھئی ہم بدہضمی میں مبتلا ہیں اس وقت ہم حلوہ نہیں کھائیں گے۔ ہمارا یہ خیال ہے حلوہ محفوظ رکھیں اور صبح کھائیں۔''

مسلمان نے کہا: ''نہیں حلوہ تازہ تازہ ہی کھانا بہتر ہے، آخر کل تک صبر کرنے میں کیا تک ہے۔''

انہوں نے کہا: ''ہم جان گئے تیری نیت یہ ہے کہ تو روزے سے تھا، تو ہی سارا حلوہ ہڑپ کر جائے، ہم تو ایسا کبھی نہ ہونے دیں گے۔ حلوے کو اس وقت محفوظ رکھ دیتے ہیں، صبح اٹھیں گے تو اس رات ہم تینوں نے جو خواب دیکھا ہو گا وہ سنائیں گے پھر جس کا خواب سب سے اچھا ہو گا سارا حلوہ اسے دے دیا جائے گا۔''

مسلمان نے یہ تجویز مان لی اور حلوہ ایک جگہ رکھ کر تینوں سو گئے۔ سحری کا وقت ہوا تو حسبِ معمول مسلمان اٹھا اور اطمینان سے سارا حلوہ کھا کر پھر سو گیا۔

صبح تینوں جاگے تو تینوں ایک جگہ بیٹھ کر اپنا اپنا خواب سنانے لگے۔

پہلے یہودی بولا کہنے لگا: ''میرا خواب سنو! رات کو خواب میں میرے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تھے۔ انہوں نے مجھے جگایا اور فرمایا اٹھ اور میرے ساتھ کوہِ طور پر چل! چنانچہ میں اپنے پیغمبر کے ساتھ کوہِ طور پر چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر عجیب وغریب نورانی نظارے دیکھے۔''

عیسائی بولا: ''رات کو خواب میں میرے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام بھی تشریف لائے تھے۔ انہوں نے مجھے جگایا اور فرمایا اٹھ اور میرے ساتھ آسمان پر چل جہاں میں رہتا ہوں! چنانچہ رات خواب میں اپنے پیغمبر کے ساتھ میں آسمانوں کی سیر کرتا رہا، تم کوہِ طور پر تھے جو زمین پر ہے اور میں آسمان پر تھا، خواب میرا بلند درجے کا ہے۔''

اب مسلمان بولا: '' کہنے لگا بھئی! سحری کا وقت ہوا تو میرے پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

بھی تشریف لائے تھے۔ مجھے جگا کر فرمانے لگے اٹھ! دیکھ ایک تیرا ساتھی کوہِ طور پر اور دوسرا آسمان پر چلا گیا ہے تو اب اکیلا رہ گیا ہے، سحری کا وقت ہو گیا ہے، صبح تم نے روزہ رکھنا ہے، سحری کے لیے حلوہ موجود ہے اٹھ کر سارا حلوہ کھالو۔ چنانچہ بھائیو! اپنے پیغمبر کا حکم مجھے بھی ماننا پڑا اور میں نے سارا حلوہ کھالیا۔"

یہ سن کر یہودی اور عیسائی بڑے پریشان ہوئے اور کہنے لگے، کیا واقعی تو نے حلوہ کھایا ہے؟

وہ بولا خود ہی سوچو! کوئی اپنے پیغمبر کی حکم عدولی کر سکتا ہے؟

انہوں نے کہا، ظالم ہمیں بھی بلا لیا ہوتا۔

اس نے کہا آوازیں تو میں نے دی تھیں، مگر سنتا کون؟ ایک کوہِ طور پر تھا دوسرا آسمان پر۔

وہ دونوں بولے بھئی! خواب تو تیرا ہی سچا ہے جو کچھ تو نے دیکھا ہے ہمارے سو خوابوں سے اچھا ہے۔ تیرا خواب عین بیداری ہے، کیونکہ خواب میں اپنی مراد حاصل کر لی۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... یہودی اور عیسائی ہمیشہ مسلمانوں کے مخالف رہے ہیں اور مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچانا چاہتے ہیں اور ان کو دین و مذہب کے حلوے سے محروم کر دینا چاہتے ہیں۔ ان دشمنوں کے وعدوں اور گھاتوں میں جو پھنس گیا، سمجھ لیجیے! اس نے اپنا نقصان کر لیا جو دانا مسلمان ہیں، وہ ان کے داؤ میں نہیں آتے۔

❖ ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل بڑے بڑے عیار و چالاک لوگ تبلیغ کا لبادہ

اوڑھ کر اپنی طرح طرح کی بناوٹی باتوں سے سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان کا حلوہ اُڑانا چاہتے ہیں۔اس مسلمان کی طرح آج بھی ہر مسلمان کو چوکنا اور باخبر رہنا چاہیے تاکہ کوئی اس کے ایمان کے حلوے کو اُڑا نہ سکے۔

ایک بہرہ

ایک شخص بے حد بہرہ تھا۔اس کا پڑوسی بیمار پڑ گیا۔لوگ دور دور سے اس کی بیمار پرسی کے لیے آنے لگے۔

بہرے کو معلوم ہوا تو اس نے سوچا، بیمار پرسی مسنون ہے مجھے بھی جانا چاہیے، مگر مشکل یہ ہے کہ وہ بیمار ہے اور میں بہرہ۔وہ بات آہستہ کرے گا اور میں سن نہیں سکوں گا۔پھر میں کیا کروں؟

آخر اس نے سوچا کہ بیمار پرسی کا ایک مخصوص طریقہ ہے اور باتیں بھی مقرر ہیں جو اس موقع پر کی جاتی ہیں۔

بیمار پرسی کے لیے جائیں تو بیمار سے پہلا سوال یہی کیا جاتا ہے کہ آپ اب کیسے ہیں؟ تو بیمار یہی جواب دیتا ہے کہ پہلے سے اچھا ہوں، میں بھی پہلے یہی پوچھوں گا کہ اب آپ کیسے ہیں؟ تو وہ یہی جواب دے گا کہ پہلے سے اچھا ہوں تو میں کہوں گا، خدا کا ہزار بار شکر ہے۔

پھر دوسرا سوال جو بیمار سے کیا جاتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ کس طبیب سے علاج کروا رہے ہو؟ تو بیمار کسی قابل طبیب کا نام لیتا ہے۔میں بھی دوسرا سوال یہی کروں گا کہ کس طبیب سے علاج کروا رہے ہو؟ وہ کسی قابل طبیب کا نام لے گا، میں جواب میں

کہہ دوں گا واقعی وہ بڑا ہی قابل طبیب ہے، اسی کا علاج جاری رکھنا، بہت ماہر طبیب ہے۔

پھر غذا کے متعلق پوچھا جاتا ہے کہ خوراک کیا ہے؟ تو بیمار اکثر کسی نرم غذا کھچڑی وغیرہ کا نام لیتا ہے۔ میں بھی غذا کا پوچھوں گا تو وہ کسی نرم غذا ہی کا بتائے گا۔ میں کہہ دوں گا ماشاءاللہ! بڑی اچھی غذا ہے! یہی کھاتے رہیے۔

یہ سوال و جواب خود ہی اپنے دل میں سوچ کر بہرہ بیمار کے پاس پہنچا۔ اس وقت بیمار بڑی تکلیف میں تھا۔

بہرے نے پوچھا: کیا حال ہے اور آپ اب کیسے ہیں؟ بیمار جو بڑا تنگ تھا کہنے لگا مر رہا ہوں۔

بہرے نے کہا: خدا کا ہزار بار شکر ہے۔ بیمار یہ جملہ سن کر بہت حیران ہوا کہ اس نے یہ کیا کہہ دیا!!

بہرے نے پھر پوچھا: کس طبیب سے علاج کروا رہے ہو؟ بیمار نے جواب دیا: ملک الموت کا۔

بہرے نے کہا: واقعی یہ بڑا ہی قابل طبیب ہے۔ جس نے بھی اس سے علاج کروایا اس کی تکلیف جاتی رہی۔ اس کا علاج جاری رکھنا۔

اب تو بیمار غصہ میں آ گیا کہ یہ شخص میری بیمار پرسی کے لیے آیا ہے یا مجھے مار ڈالنے کے لیے۔

بہرے نے پھر پوچھا کہ کھاتے کیا ہیں آپ؟ بیمار نے غصہ میں جواب دیا "زہر"۔

بہرہ بولا: واہ واہ بڑی اچھی غذا ہے یہ! ہر روز کھایئے! ناغہ نہ کیجیے! ان شاءاللہ! اس غذا سے تکلیفیں جاتی رہیں گی۔

اب تو بیمار سخت غصہ میں آ گیا اور بہرے سے چلا کر کہا، نکل جاؤ! ابھی میرے گھر سے اور اسے گھر سے نکال دیا، اور کہا مہربانی فرما کر آئندہ میرے گھر ہرگز تشریف لانے کی تکلیف نہ فرمائیں۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... دین سے بے بہرہ انسان اس بہرے کی مانند ہے جو مسنون طریقہ ادا کرنے اور بیمار کو خوش کرنے کے لیے گیا، لیکن اپنی جہالت سے اسے ناراض کر کے واپس آیا۔

اسی طرح آج کل کے مسلمان مسجد میں جاتے ہیں تا کہ فرض ادا کریں اور خدا کو خوش کریں، لیکن نماز پڑھنے کا طریقہ انہیں آتا نہیں۔ نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے، وہ صحیح یاد نہیں ہوتا اور یہ نماز پڑھنے اور خدا کو خوش کرنے کے لیے مسجد میں جاتے ہیں مگر اپنی غلط سلط نماز سے صحیح ارکان اور صحیح الفاظ ادا نہ کر کے بجائے خدا کو خوش کرنے کے اسے ناراض کر کے لوٹتے ہیں۔

چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر بیک صاحب ریا

صَلِّ اِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ يَافَتٰى

خواجہ پندارد او عبادت می کند

بے خبر از معصیت جان می برد

ایک ریا کار نمازی سے حضور نے فرمایا تو نے نماز نہیں پڑھی، دوبارہ پڑھ۔ خواجہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ عبادت کر رہا ہے لیکن بے خبر ہے کہ (ریا کاری کی وجہ سے) وہ اپنی جان غارت کر رہا ہے۔

❖ ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح اس بہرے نے بیمار پرسی کا خود ہی اپنے اجتہاد سے ایک منصوبہ بنالیا تھا اور اس کے مطابق عمل کر کے اس نے سمجھا کہ میں نے مسنون طریقہ ادا کرلیا، اسی طرح آج کل کے دین سے بے بہرہ، ماڈرن مجتہد، نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ اور دیگر اسلامی احکام مثلاً تجارت، پردے کی اپنے ماڈرن اجتہاد سے خود ہی ایک نئی شکل تیار کرلیتے ہیں اور اس پر عمل کر کے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے فرض ادا کرلیا۔

ایک بھینگے آدمی کا دلچسپ واقعہ

ایک استاد نے اپنے ایک بھینگے شاگرد سے کہا: میرے گھر جاؤ، گھر کے فلاں طاق میں شیشہ رکھا ہوا ہے، وہ لے آؤ۔ شاگرد گیا، طاق میں اسے اپنے بھینگے پن کے باعث دو شیشے نظر آئے۔

واپس آکر استاد سے کہنے لگا، جناب! طاق میں تو دو شیشے پڑے ہیں۔ کونسا شیشہ لاؤں؟ استاد نے کہا، دو شیشے کیسے؟ وہاں تو ایک ہی شیشہ ہے۔ شاگرد نے قسم کھا کر کہا: جناب! وہاں دو شیشے ہیں۔

استاد نے کہا: اچھا جاؤ! تم ان دو شیشوں میں سے ایک شیشہ توڑ دو اور دوسرا لے آؤ۔

شاگرد گھر گیا اور پتھر سے اس نے شیشہ توڑ دیا۔ ایک شیشہ توڑنے کے بعد اس نے دیکھا کہ دوسرا شیشہ بھی ٹوٹ چکا ہے۔ حیران رہ گیا کہ یہ کیا بات؟ واپس استاد کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ جناب! کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک شیشہ توڑنے سے دوسرا بھی کیوں ٹوٹ گیا۔

استاد نے کہا، بے وقوف! تمہاری نظر کا قصور ہے۔ شیشہ تو ایک ہی تھا مگر

تمہاری ٹیڑھی نظر سے وہ دو نظر آ رہے تھے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ کلمہ شریف ایمان کا آئینہ ہے۔ توحید ورسالت کا یہ آئینہ ہر مسلمان کے پاس ہے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ کے مطابق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اور حکمِ رسول حکمِ خدا ہے۔

قرآن وحدیث پر ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ جو لوگ اللہ ورسول کی اطاعت کو ایک سمجھتے ہیں اور ارشادِ رسول کو ارشادِ خدا سمجھتے ہیں ان کی نظر صحیح ہے، لیکن جو لوگ حکمِ خدا اور حکمِ رسول کو الگ الگ سمجھتے ہیں اور اطاعتِ رسول کو اطاعتِ خدا نہیں سمجھتے وہ بھینگی نظر رکھتے ہیں۔ ایسے بھینگوں نے یہاں حکمِ رسول کو جو توڑا ہے انہیں کل قیامت میں پتا چلے گا کہ حکمِ رسول کو توڑنے سے حکمِ خدا بھی ٹوٹ گیا تھا۔

قرآن پاک میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ

(الاعراف: ۱۹۸)

اور (اے محبوب) تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ نہیں دیکھتے۔

دیکھنے میں تمہاری طرف دیکھتے نظر آتے ہیں حالانکہ ان کی نظریں دوسری طرف ہوتی ہیں۔ بھینگے کی نظر اسی طرز کی ہوتی ہے کہ معلوم یہ ہوتا ہے جیسے یہ ہماری طرف دیکھ رہا ہوتا ہے، حالانکہ وہ دوسری طرف دیکھ رہا ہوتا ہے۔

تمام منکرین حدیث، منکرینِ ختمِ نبوت، دشمنانِ صحابہ کرام واہل بیت رضوان اللہ علیہم کا بھی یہی حال ہے کہ بظاہر کلمہ پڑھتے نظر آتے ہیں اور بباطن ان کا رخ دوسری طرف ہوتا ہے۔

بادشاہ کے دربار میں پانی کا تحفہ لے جانے والے بدّو کا واقعہ

بیابانِ عرب کا ایک بدّو بڑا مفلس اور غریب تھا۔ اس کی بیوی نے ایک دن اس سے کہا کہ ہمارے دن رات مفلسی اور غربت میں گزر رہے ہیں، کوئی صورت نکالو جس سے ہماری یہ غربت دور ہو۔ میں نے سنا ہے خلیفۂ بغداد بڑا مہمان نواز اور سخی ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ۔ ممکن ہے وہ تمہاری مدد کرے اور اپنے انعام واکرام سے ہماری غربت دور کر دے۔

شوہر نے کہا ٹھیک ہے لیکن خالی ہاتھ جانا بھی اچھا نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اپنی جھیل سے ایک صراحی پانی کی بھر کر خلیفہ بغداد کے لیے تحفہ لے جاؤں۔ وہ پانی سے بھری ہوئی صراحی پا کر بڑا خوش ہوگا۔

چونکہ عرب صحرا میں پانی کی بڑی قلت ہوتی ہے اور تھوڑا سا پانی بھی وہاں گراں قدر نعمت سمجھا جاتا ہے، اس لیے بدو نے پانی سے بھری ہوئی صراحی کو بہت ہی عظیم تحفہ سمجھا، اور دوسرے روز وہ پانی بھری صراحی سر پر اٹھا کر بغداد کو چل پڑا، اور یہی سوچتا گیا کہ خلیفہ اتنا زیادہ پانی دیکھ کر بڑا خوش ہوگا۔ مہینہ بھر کی مسافت کے بعد بغداد پہنچا۔

دربار میں حاضر ہونے کے لیے جب شاہی محل کے دروازے پر پہنچا تو نقیبوں نے پوچھا، خلیفہ سے تمہارا کیا کام ہے؟ وہ بولا میں اپنے محبوب خلیفہ کے لیے ایک عظیم تحفہ پانی سے بھری ہوئی صراحی لایا ہوں۔ اتنا پانی پا کر خلیفہ خوش ہوگا اور میری محنت ٹھکانے لگے گی۔

خلیفہ کو جب پتہ چلا کہ کوئی بدّو میرے لیے بڑی عقیدت کے ساتھ دور سے پانی لایا ہے تو درباریوں کو حکم دیا کہ اسے نہایت اعزاز کے ساتھ دربار میں لایا جائے، چنانچہ درباریوں نے بڑے اعزاز و اکرام سے اُسے دربار میں بلا کر خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا۔

خلیفہ اس کے استقبال کے لیے خود اٹھا اور اس کے سر سے صراحی خود ہی اتار کر اس کا پانی اپنے خاص برتن میں ڈال کر اس کی تعریف کی اور خوشی کا اظہار کیا کہ واقعی تم میرے لیے بہت بڑا تحفہ لائے ہو، میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

پھر درباریوں کو حکم دیا کہ اس کی صراحی کو اشرفیوں سے بھر کر اور خاص خلعت عطا کر کے اسے واپس کرو۔ ساتھ ہی درباریوں سے یہ بھی کہہ دیا کہ اسے دریائے دجلہ کے راستے کشتی پر بٹھا کر واپس کرنا اور کسی دوسرے راستے سے واپس نہ لے جانا، بلکہ دریائے دجلہ کے راستے واپس کر کے دریا کے پانی کے علاوہ میرے شاہی باغ کے فواروں کی جھلک بھی اسے دکھا دینا۔ چنانچہ اس بدّو کی صراحی اشرفیوں سے بھر دی گئی اور خلعت خاص بھی عطا کی گئی۔

واپسی کے وقت اسے شاہی باغ میں سے گزارا گیا۔ بدّو نے اس باغ میں جابجا فواروں میں سے پانی اچھلتا اور بہتا دیکھا تو وہ بڑا نادم ہوا کہ میری صراحی کا پانی ان فواروں کے سامنے کیا حقیقت رکھتا تھا!!

آگے بڑھا تو دریائے دجلہ نظر آیا، اب جو اسے پانی کا اتنا بڑا دریا نظر آیا تو وہ شرم و ندامت سے پانی پانی ہو گیا۔ سوچنے لگا کہ میں نے یہ کیا کیا؟ کہ صراحی بھر پانی کو خلیفہ کے لیے ایک نایاب چیز سمجھتا رہا اور یہ گمان کیا کہ خلیفہ نے اتنا پانی شاید ہی کبھی پایا ہو!

پھر خلیفہ کے جود و کرم کا خیال کر کے حیران رہ گیا کہ میرا یہ حقیر تحفہ اس نے کس محبت سے قبول کیا اور کس طرح میرے حقیر تحفہ کی قدر کی اور اپنے خاص برتن میں ڈال کر مجھے اشرفیوں اور خلعتِ خاص سے مالا مال کر دیا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

ہماری نمازیں اور عبادت بدّو کی پانی بھری صراحی کی طرح ہیں جسے ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے نماز پڑھ کر اور کچھ وقت اللہ اللہ کر کے بڑا کمال کر دیا ہے۔

ہماری یہ عبادت اللہ کے حضور پہنچے گی تو وہ فرمائے گا، میرے بندے نے ایک نایاب چیز حاضر کی ہے۔

مگر ہماری یہ ٹوٹی پھوٹی نمازیں جب خدا کے حضور پہنچتی ہیں تو وہاں اولیاء اللہ کے ذکر و فکر کے فوارے، فرشتوں کی تحمید و تقدس کی نہریں، انبیاء و مرسلین کی عبادت کے دریا، اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے سمندر بہتے نظر آتے ہیں۔

باوجود اس کے خدا تعالیٰ اتنا بڑا کریم ہے کہ ہماری ان ٹوٹی پھوٹی نمازوں کو قبول فرما کر فرماتا ہے وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا اور پھر ہماری جھولیاں اپنی رحمت کی اشرفیوں سے بھر کر ہمیں نوازتا ہے۔

ایک امیر اور اس کا غلام

کسی زمانے میں ایک بہت بڑا امیر آدمی تھا جو بڑا کاہل و سست تھا، نماز پڑھنے کا نام بھی نہ لیتا تھا۔ اس کا ایک غلام تھا جس کا نام عبداللہ تھا۔ یہ غلام بڑا نیک

اور پانچ وقت کا نمازی تھا۔

ایک روز صبح ہی صبح آقا نے "عبداللہ" سے کہا کہ مجھے غسل کرنا ہے، میرے ساتھ حمام میں چلو۔ تیل، تولیہ اور صابن لے کر عبداللہ اپنے آقا کے ساتھ حمام کی طرف چل دیا۔

راستے میں ایک مسجد سے صبح کی اذان کی آواز سنی تو عبداللہ نے آقا سے کہا، کہ مجھے اجازت دیجیے، میں مسجد میں جا کر فجر کی نماز پڑھ آؤں؟

آقا نے کہا جاؤ! میں مسجد کے باہر تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ غلام مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگا، اور آقا باہر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

نماز ہو چکی امام اور مقتدی سب باہر آ گئے، لیکن عبداللہ نماز کے بعد وظیفہ پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔

کافی دیر گزر گئی تو اس نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی اور کہا عبداللہ! سارے نمازی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل آئے ہیں لیکن تو ابھی تک اندر ہے، تجھے کون باہر نہیں نکلنے دیتا؟ عبداللہ نے اندر سے جواب دیا حضور! مجھے باہر وہ نہیں نکلنے دیتا جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اللہ کے احکام کی تعمیل کرنا اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔ جو لوگ نماز پڑھتے اور دیگر فرائض ادا کرتے ہیں وہ اللہ کا شکر ادا کریں کہ خدا نے انہیں اپنے دروازے پر آنے کی توفیق دی۔

نماز پڑھنا یا دیگر نیک کام کرنا خدا پر ہرگز کوئی احسان نہیں، بلکہ خدا کا ہم پر یہ احسان ہے کہ اس نے ہمیں ان اعمالِ حسنہ کی توفیق دی، اور جو لوگ مسجد میں نہیں آتے، نماز نہیں پڑھتے، وہ اپنی بد نصیبی پر روئیں کہ وہ خدا کے گھر قدم بھی نہیں رکھ سکتے۔

علامہ اسعد یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عابدہ عورت کا واقعہ لکھا ہے، فرماتے ہیں ایک عابدہ عورت تہجد پڑھ کر ان لفظوں میں دعا مانگ رہی تھی: ''الٰہی! تجھے اس محبت کا واسطہ جو تجھے مجھ سے ہے، مجھے بخش دے!''

اس کا خاوند قریب ہی مزے کی نیند سو رہا تھا، اس کی اتفاقاً آنکھ کھل گئی اور اس نے اپنی بیوی کے منہ سے دعا کے یہ لفظ سنے تو پوچھنے لگا، تمہیں یہ کس طرح معلوم ہو گیا ہے کہ خدا کو تم سے محبت ہے؟

وہ بولی: ''یہ بات مجھے اس طرح معلوم ہوئی ہے کہ اگر اسے مجھ سے محبت نہ ہوتی تو آپ جیسوں کو میٹھی نیند سلا کر اور مجھے جاگنے کی توفیق دے کر تہجد پڑھنے کے لیے کبھی مصلے پر نہ آنے دیتا۔ مجھ سے اسے محبت تھی جبھی تو اس نے اس وقت جگا کر مجھے اپنے دروازے پر بلا لیا ہے۔''

❖ ...... ایک اور بزرگ کا واقعہ ہے کہ حج کرنے گئے تو کعبے شریف کی دیوار سے لپٹ کر رو رو کر کہنے لگے: ''الٰہی! کیا خبر کہ تو مجھ سے راضی ہے یا نہیں؟''

ہاتف سے آواز آئی: ''میرے بندے! جس سے تو راضی نہ ہو، کیا تو نے کبھی اُسے اپنے گھر بلایا ہے؟ تم جس سے راضی ہوتے ہو اُسی کو گھر بلاتے ہو۔ میں نے بھی تم کو جو اپنے گھر بلایا ہے اسی لیے کہ میں تم سے راضی ہوں۔''

❖ ...... معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ جن سے راضی ہے انہیں نیک اعمال کی توفیق مل جاتی ہے، اور جن سے خدا راضی نہیں، انہیں مسجد میں آنے کی نہیں، سینما و تھیٹر اور کلبوں میں جانے کی ہوس ملتی ہے۔

ایسے لوگوں کو دن رات کی نمازوں سے کیا غرض، دن کو فٹ بال اور کرکٹ اور رات کو موبائل اور نیٹ کا کوڑا اگر کٹ، خدا ایسی بے باکی سے بچائے!! آمین

جالینوس سے ایک پاگل کی ملاقات کا واقعہ

جالینوس نے ایک دن اپنے شاگردوں سے کہا کہ مجھے فلاں چند دوا اور فوراً لاکر دو تاکہ میں کھاؤں۔

شاگردوں نے کہا جناب! وہ دوا تو پاگلوں کے لیے ہے، جسے جنون لاحق ہو اسے استعمال کرائی جاتی ہے۔ خدا نہ کرے کہ آپ کو اس دوا کی ضرورت پڑے!

جالینوس نے کہا: تم وہی دوا لاکر مجھے کھلاؤ کیونکہ آج ایک پاگل نے مجھے دیکھا تو بڑی محبت سے مجھے گلے ملا اور مجھ سے پیار کی باتیں کرتا رہا۔ پھر اس نے ایک دم میری آستین کو پھاڑ ڈالا۔

میں نے سوچا اگر وہ پاگل مجھے اپنا ہم جنس نہ سمجھتا تو کبھی میری طرف نہ آتا، نہ مجھے گلے ملتا، اور نہ پیار کی باتیں کرتا۔

جب دو شخصوں میں ربط وضبط ہو تو ضرور اُن کے درمیان کوئی قدر مشترک موجود ہوتی ہے۔

کے پرد مرغے، بجز با جنسِ خود
صحبتِ نا جنس گور است و لحد

پرندہ اپنے ہم جنس کے سوا دوسرے کے ساتھ کب اڑتا ہے۔ صحبتِ ناجنس تو مرنے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

کسی متقی سے اگر کسی عیاش کو بار بار گلے ملتے، یا کسی حق گو عالم سے کسی بدعقیدہ شخص کو اکثر ملتے جلتے دیکھو تو ایسے متقی و عالم کے لیے دعا کیجیے کہ خدا اسے عیاشی اور

بدعقیدگی سے محفوظ رکھے، (آمین) کیونکہ متقی جب خوش دلی سے ملے گا تو وہ ضرور اسے کچھ نہ کچھ اپنا ہم خیال ہی سمجھ کر ملے گا، ورنہ بدعقیدہ آدمی تو حق گو عالم کے نزدیک بھی نہیں آتا۔

(۱) دور شو از اختلاطِ یارِ بد
یارِ بد بدتر بود از مارِ بد
(۲) مارِ بد تنہا برجانِ زند
یارِ بد برجان و ایمان زَند

(۱) برے دوست کے اختلاط سے دور رہو برا دوست بُرے سانپ سے بھی برا ہے۔

(۲) کیونکہ برا سانپ صرف جان کو نقصان پہنچاتا ہے جبکہ برا دوست جان اور ایمان دونوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔

میں نے لکھا ہے۔

بدعقیدہ سے رہو تم دور دور!
ورنہ لے ڈوبے گا وہ تم کو ضرور!

شہرِ محبوب کا مقام

ایک معشوق نے اپنے عاشق سے پوچھا کہ تم نے تلاشِ محبوب میں سینکڑوں شہروں کی خاک چھانی ہے بتاؤ کہ تمہیں کونسا شہر پسند ہے؟

عاشق نے جواب دیا، ''اے میرے محبوب! جس شہر میں تم رہتے ہو۔'' ۔

(۱) ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ!

جنت است آں گرچہ باشد قعرِ چاہ

(۲) باتو دوزخ جنت است اے جانفزا

باتو زنداں گلشن است اے دل ربا

(۳) ہر کجا تو بامنی من خوش دلم

گر بود درقعرِ گورے منزلم

(۴) خوشتر از ہر دو جہاں آں جا بود

کہ مرا باتو سرو سودا بود

ان اشعار کا مطلب

(۱)...... جہاں چاند جیسا خوب صورت یوسف ہو وہ جگہ چاہے کنواں ہی کیوں نہ ہو، جنت ہے۔

(۲)...... اے جان فزا! تمہارے ساتھ دوزخ بھی جنت ہے، تمہارے ساتھ قید خانہ بھی گلشن ہے۔

(۳)...... میری منزل اگر چہ قبر کی گہرائی ہی کیوں نہ ہو، اگر تو میرے ساتھ ہو تو میں مسرور ہوں۔

(۴)...... دونوں جہاں میں وہ جگہ سب سے بہتر ہے جہاں میرا تیرے ساتھ محبت کا قیام ہو۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

- ...... جہاں قرآن جیسی روشن کتاب کا آئین نافذ ہو، وہاں چاہے دنیوی سامان ہائے راحت نہ بھی ہوں جنت ہے۔
- ...... خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہو، تو مصائب و آلام بھی اسے انعام نظر آتے ہیں۔

❖ ...... مسلمان اگر غربت وافلاس کی گہری قبر میں بھی کیوں نہ ہو، حضور کی محبت ساتھ ہے تو وہ خوش نصیب ہے۔

❖ ...... سارے شہروں میں وہ شہر سب سے بہتر ہے جہاں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ہے یعنی مدینہ شریف۔

میرے مرشدِ پاک، مرشدِ عالَم حضرت عارف باللہ شاہ حکیم محمد اختر نور اللہ مرقدہٗ کی نعت کا خوبصورت شعر ہے، جو آپ نے عشقِ رسالت میں ڈوب کر لکھا ہے۔

مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ
بڑا لطف دیتا ہے نامِ مدینہ

دوسرے مقام پر عشق کا اظہار یوں فرمایا:

یا جبال الحرم! یا جبال الحرم!
میری نظروں میں تم ہو بڑے محترم

عاشق کی محبت کا امتحان

ایک عاشق نے اپنے محبوب کے گھر آ کر دروازے پر دستک دی اور کہا، ''دروازہ کھولو۔''

محبوب نے پوچھا، ''کون ہے؟'' عاشق بولا: ''میں تمہارا عاشقِ صادق''۔

محبوب نے کہا، ''تو ابھی سچا عاشق نہیں، تجھ میں ابھی ''مَیں'' باقی ہے۔ جب تک تم میں ''مَیں'' موجود رہے گی تم کامیابی سے دور رہو گے۔ تمہارے خام ہونے کی یہی دلیل ہے کہ تمہارے سر میں ابھی کبر وغرور موجود ہے۔ کبر وغرور نہ ہو تو

"میں" بھی باقی نہ رہتی۔ جاؤ واپس چلے جاؤ اور ہجر و فراق کی آگ میں اس "میں" کو جلا کر آؤ۔"

عاشق واپس آیا اور سال بھر ہجر و فراق میں جلتا رہا اور ایک سال کے بعد پھر درِ محبوب پر حاضر ہوا اور دستک دی۔

محبوب نے پوچھا: "کون ہے؟"

عاشق نے جواب دیا: "جانِ من! اندر بھی تو ہے باہر بھی تو۔"

محبوب نے یہ جواب سنا تو دروازہ کھول کر کہا: "اب آجاؤ!"۔ اب تجھ میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں رہا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

قوم کے لیڈر میں اگر اقتدار کی ہوس ہو اور وہ چاہے کہ میں لیڈر کہلاؤں، لوگ میرے پیچھے پھریں، میں قائد بنوں، جو میں ہوں وہ میں ہی ہوں، جو میں کہوں وہی ہو، جو میں نہ کہوں وہ نہ ہو، اپنا مفاد سامنے رکھے اور قوم کا مفاد اس کے پیشِ نظر نہ ہو، ایسا لیڈر قوم کا عاشقِ صادق نہیں۔ ہاں جو لیڈر اپنی "میں" کو قوم کے سامنے مٹا دے اور فنا فی القوم ہو جائے اور قوم کے مفاد کو اپنا مفاد سمجھے، وہ سچا لیڈر ہے۔ ایسے لیڈر اور قوم میں کوئی فرق نہیں، دونوں ایک ہیں۔ ایسا لیڈر اس قابل ہے کہ قوم اپنے دل کا دروازہ کھول کر اسے اپنے دل میں جگہ دے۔

ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایک شیر خوار بچہ

ایک مرتبہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔
گاؤں کی ایک عورت نے جب یہ سنا تو آپ کو آزمانے کے لیے اور یہ دیکھنے کے لیے کہ آپ خدا کے کتنے پیارے ہیں، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔
اس عورت کی گود میں ایک شیر خوار بچہ تھا جس نے ابھی بولنا بھی نہ سیکھا تھا۔ وہ اس بچہ کو لیے ہوئے حضور کے سامنے پہنچی تو بچہ نے ماں کی گود سے سر نکالا اور۔

گفت کودک سَلَّمَ اللہ اِلَیْکَ
یَا رَسُوْلَ اللہِ قَدْ جِئْنَا اِلَیْكَ!

بچہ بولا اے اللہ کے رسول آپ پر سلام ہو۔ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔
بچہ کو اس طرح بولتا ہوا دیکھ کر عورت کو تعجب ہوا اور حیرت کے ساتھ بچے سے پوچھنے لگی کہ تجھے بات کرنا کس نے سکھایا ہے اور تو نے یہ کیسے جانا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں؟
بچے نے جواب دیا اے ماں؟ مجھے بولنا خدا تعالیٰ نے سکھایا ہے اور مجھ سے اللہ کے فرشتے جبرئیل نے یہ سب کچھ کہلوایا۔
اس جواب کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ تو بچے نے جواب دیا۔

گفت نامم پیشِ حق عبدالعزیز
عبدِ عزیٰ پیشِ ایں یکمشت حیز

حضور! ماں نے میرا نام عبدِ عزیٰ رکھا ہے (عزّیٰ بت کا نام تھا) لیکن اللہ نے میرا نام عبدالعزیز رکھا ہے۔ حضور میں عزیٰ سے بیزار و بری ہوں۔ خدا تو وہ ہے جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔

ماں نے جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ اپنی گود ہی میں دیکھا تو مسلمان ہوگئی۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جن و بشر، وحشی جانور پرندے اور شیر خوار بچے بھی تسلیم کرتے ہیں۔

ایک ناسمجھ بچہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان گیا لیکن آج کل کے بعض سمجھدار ہونے کے مدعی اور دانشور کہلانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ کو تسلیم نہیں کرتے اور ان ارشادات کو اپنی سمجھ کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔

درحقیقت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لے وہ بچہ بھی ہو تو بالغِ نظر ہے اور جو نہ پہچانے وہ بوڑھا بھی ہو تو "پیرِ نابالغ" ہے۔

❖...... اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بچہ بھی مان لیتا ہے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، لیکن بڑا ہونے پر جیسی اسے صحبت ملے ویسا ہی ہوجاتا ہے، اس لیے سب سے پہلے ماں باپ کا یہ فرض ہے کہ بچے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شناسا رکھنے کے لیے اُسے اسلامی تعلیم دلوائیں اور اگر اسے اسلام کی کوئی بات نہ پڑھائی گئی اور اسے صرف دنیوی تعلیم ہی دی گئی تو بچہ بڑا ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نا آشنا رہے گا۔

جیسا کہ آج کل کے ماڈرن مسلمان نظر آرہے ہیں انہیں دنیا بھر کی تاریخ یاد

ہو گی مگر اپنی اسلامی روایات کا کچھ پتہ ہی نہیں حتیٰ کہ نماز تک پڑھنی نہیں آتی۔

❖ ...... اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو سب سے پہلے اسلامی تعلیم دیں، ورنہ بڑا ہو کر وہ کچھ بھی بن جائے تو کیا فائدہ! جب حضور ہی سے شناسائی نہ رہی۔

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
پھر اس کی کیا خوشی کوئی ڈپٹی ہے کوئی جج ہے

ابو جہل کی مٹھی میں کنکریوں کی شہادت

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن مکہ معظمہ میں ابو جہل تھا۔

جب آپ نے لوگوں کو خدا کا پیغام سنانا شروع کیا اور بتوں کی پوجا سے روکا تو بتوں کے پجاریوں کو بہت برا لگا۔ وہ ہر طرح آپ کو ستاتے اور بری باتیں آپ کی شان میں بکتے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ ابو جہل اپنی مٹھی میں پتھر کی چھ کنکریاں لے کر مٹھی بند کئے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا۔

گر رسولی چیست درد ستم نہان
چوں خبر داری ز رازِ آسمان

اگر تم واقعی رسول ہو تو بتاؤ میری اس بند مٹھی میں کیا ہے؟ تم آسمان کی چھپی ہوئی باتیں بتانے کے مدعی ہو۔ میری مٹھی میں چھپی ہوئی چیز بتا دو کہ اس میں کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

گر تو میخوائی بگویم کان کہ آن چیست
یا بگویند آنکہ ما حقیم و راست

میں بتاؤں کہ تیری مٹھی میں کیا ہے، یا جو چیز تیری مٹھی میں ہے، وہ بولے کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔

ابوجہل نے کہا: یہ دوسری بات تو بہت ہی عجیب ہے۔ میری مٹھی کی چیز کیسے بول سکتی ہے؟

آپ نے فرمایا لو غور سے سنو! تیری مٹھی میں پتھر کی چھ کنکریاں ہیں اب ان کنکریوں سے ہمارا کلمہ سنو۔

ابوجہل نے سنا کہ کنکر اس کی مٹھی میں مل کر کلمہ پڑھنے لگے۔

ابوجہل نے یہ معجزہ دیکھا تو کنکریوں کو زمین پر پھینک کر کہنے لگا، ''اے محمد! تم سے بڑا جادوگر میں نے آج تک نہیں دیکھا (معاذ اللہ)''

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

- ...... ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ کو کائنات کا ذرہ ذرہ پہچانتا ہے اور شجر و حجر بھی حضور کا کلمہ پڑھتے ہیں، مگر کافر ایسے بدنصیب ہیں کہ انہوں نے حضور کی رسالت کا اعتراف نہ کیا اور ایسے بے وقوف ہیں کہ نہیں جانتے کہ جن پتھروں کے بت بنا کر ہم انہیں پوجتے ہیں وہی ہمارے معبود بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول اللہ مانتے ہیں۔
- ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے حضور کے معجزات دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات سے بڑھے ہوئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے کو زندہ کر لیتے تھے یہ بھی عظیم معجزہ ہے مگر اس سے بالاتر معجزہ یہ ہے کہ پتھر سے اپنا

کلمہ پڑھوالینا، کیونکہ مردے میں پہلے جان تھی جو نکل گئی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے پھر عود کر آئی مگر پتھر میں نہ پہلے جان تھی اور نہ اب۔ ایسے بے جان کو زندہ کر دینا اور اسے یہ شعور بخشنا کہ وہ اللہ کی توحید اور حضور کی رسالت کا اعلان کرے یہ احیاءِ موتی سے بلند تر معجزہ ہے۔

❖ ...... اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پانچ چھ افراد کامل کر کلمہ پڑھنا ابو جہل ہی کو برا لگا اور اس نے انہیں اپنے ہاتھ سے پھینک دیا تاکہ وہ کلمہ کی آواز نہ سن سکے۔

❖ ...... اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شرائط کے ساتھ ذکرِ جہر (بلند آواز سے ذکر کرنا) جائز ہے اور حضور نے اپنا معجزہ اسی ذکرِ جہر کے ذریعہ دکھایا۔ مگر آہ! آج کل کا دور! اکبر الٰہ آبادی لکھتے ہیں ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

نامِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت

نصرانیوں کی ایک بہت بڑی بستی تھی اپنے ایک مذہبی تہوار میں انہوں نے انجیل کو کھولا تو ؎

بود در انجیل نامِ مصطفیٰ
آں سرِ پیغمبران بحرِ صفا
بود ذکرِ حلیہ ہاد شکلِ او
بود ذکرِ موم و غزو اکلِ او

انجیل میں بحرِ صفا، پیغمبروں کے رہنما، محمد مصطفی ﷺ کا اسمِ گرامی لکھا ہوا تھا۔ آپ کا چہرہ مبارک، آپ کے غزوات، روزوں حتیٰ کہ آپ کی خورد ونوش تک کا ذکر موجود تھا۔ نصرانیوں کے ایک گروہ نے حضور ﷺ کے اسمِ گرامی کی سخت توہین کرتے ہوئے ٹھکرا دیا لیکن دوسرے گروہ نے حضور ﷺ کے نام کی تعظیم کرتے ہوئے۔

بوسہ دادندے بہ آن نامِ شریف
رونہا دندے برآں وصفِ لطیف

اسم گرامی کو چوما اور آنحضرت ﷺ کے اوصاف کو توجہ کے ساتھ پڑھا۔

ابھی چند دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ مذکورہ بستی ایک ظالم وزیر کا نشانہ بنی۔ حضور ﷺ کے نام کی توہین کرنے والے تمام نصرانی وزیر ظلم وستم کا شکار ہو گئے لیکن نام احمد کو چومنے والے۔

ایمن از شرِّ امیران و وزیر
در پناہِ نام احمد مستجیر!

ظالم وزیر اور امیروں کے شر سے محفوظ رہے۔ محفوظ کیوں نہ رہتے؟ وہ تو احمد مرسل ﷺ کے اسم گرامی کی پناہ میں آ گئے تھے۔ ان کی نسل میں برکت آ گئی اور ان کے کاروبار ترقی پا گئے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا نام بھی بہت بابرکت ہے اور مرض یا دشمنوں کی یلغار کے وقت ہمارے لیے قلعہ وحصار ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے تاج کا واقعہ

ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام نے آئینے کے سامنے اپنا تاج سر پر رکھا تو وہ تاج ٹیڑھا ہو گیا۔ آپ نے سیدھا کیا تو وہ پھر ٹیڑھا ہو گیا۔ اس طرح تین بار سیدھا کیا اور تاج تینوں بار ٹیڑھا ہو گیا، بس آپ غلبۂ خوفِ الٰہی سے سجدہ میں رونے لگے اور استغفار کرنے لگے، اس کے بعد پھر تاج رکھا تو وہ ٹیڑھا نہ ہوا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ میری کوئی بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم پھر گئی ہے، اس لیے یہ تاج بے جان ہونے کے باوجود مجھ سے پھر گیا۔

نگاہِ اقربا بدلی مزاجِ دوستاں بدلا
نظر اک ان کی کیا بدلی کہ کل سارا جہاں بدلا

(حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

اس واقعہ میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاج تو بے جان تھا، پھر بے جان نے حرکت کیسے کی کہ ٹیڑھا ہو گیا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر میں اسی سوال کا جواب دیا ہے کہ مٹی اور ہوا، پانی اور آگ، یہ "عناصرِ اربعہ" کہلاتے ہیں اور انہی سے اشیا کی تعمیر اور تخلیق ہوتی ہے، تو یہ عناصر اگرچہ ہماری نظروں میں مردہ اور بے جان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا تعلق زندوں ہی جیسا ہے۔ یہ تمام جمادات اور نباتات امرِ الٰہی کو سمجھتے ہیں اور حکم سنتے ہی فوراً تعمیلِ حکم بجا لاتے ہیں۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ خلافِ معمول کام دیکھ کر ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اگر ایسے حالات پیش آ رہے ہوں جو خلافِ طبیعت اور ناگوار ہوں تو استغفار کی کثرت کرنا چاہیے۔

ایک شخص کا منہ ٹیڑھا ہو جانا

ایک بدبخت شخص نے مذاق کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامِ مبارک منہ چِڑا کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو فوراً یہ سزا دی کہ اس کا منہ ٹیڑھا ہو گیا۔ لاکھ کوشش کی مگر منہ سیدھا نہ ہوا۔

وہ بدبخت اور نالائق نادم ہو کر معافی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے معاف کر دیجیے۔ آپ رحمتِ عالم ہیں۔ میں صدقِ دل سے توبہ کرتا ہوں خدا کے لیے میری غلطی معاف کر دیجیے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت جوش میں آ گئی اور فرمایا: ''جا! میں نے تجھے معاف کر دیا وہ اس وقت اچھا ہو گیا۔''

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی رسوائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو نیک لوگوں پر طعن کرنے کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ کسی گناہ کی سزا میں عقل پر اس قسم کا وبال آتا ہے کہ کسی ولی اللہ کو برا کہنا اور طعنہ دینا شروع کر دیتا ہے

اور اللہ تعالیٰ اس کے اس جرم کو ہلاکت اور رسوائی کا سبب بنادیتے ہیں۔

اور جب حق تعالیٰ کسی بندہ کے عیبوں پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کو توفیق دیتے ہیں کہ وہ گنہگار لوگوں کے عیب پر بھی گفتگو نہیں کرتا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم ہر لحاظ سے اپنی گفتگو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے پیارے صحابہ رضی اللہ عنہم اور انبیاء کرام کے وارثین، ائمہ دین اور علماء کرام اور اولیائے عظام کے ساتھ ادب کا برتاؤ رکھیں۔ وگرنہ بے ادبی کی صورت آخرت کی گرفت کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی وبال کا اندیشہ ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر وتحمل کا واقعہ

حضرت شعیب علیہ السلام کے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بکریوں کے چرانے کا قصہ قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے۔ اسی زمانہ میں ایک دن ایک بکری حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے بھاگ گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاؤں میں اس کی تلاش میں دوڑنے سے چھالے ہوگئے اور آپ علیہ السلام اس کی تلاش میں اتنی دور نکل گئے کہ اصل گلہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ وہ بکری آخرکار تھک کر سست ہوگئی اور کسی جگہ کھڑی ہوگئی، تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ ملی۔

آپ نے اس پر بجائے غصے اور مار پیٹ کے اس کی گردن جھاڑی اور اس کی پشت اور سر پر ہاتھ پھیرنے لگے اور ماں کی طرح اس پر نوازش کرنے لگے اور باوجود

اس قدر اذیت برداشت کرنے کے ذرہ برابر بھی اس پر کدورت اور غصہ نہ کیا اور اس کی تکلیف کو دیکھ کر آپ کا دل نرم ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور بکری سے فرمایا کہ میں نے فرض کیا کہ تجھے مجھ پر رحم نہیں آیا، اس لیے تو نے مجھے تھکایا، لیکن تجھے اپنے اوپر رحم کیوں نہ آیا؟ میرے پاؤں کے آبلوں اور کانٹوں پر تجھے رحم نہ آیا تو تجھے اپنے اوپر تو رحم آنا چاہیے تھا۔

اسی وقت ملائکہ سے حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ نبوت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام زیبا ہیں (اس وقت تک آپ کو نبوت نہ عطا ہوئی تھی) یعنی امت کا غم کھانے اور ان کی طرف ایذا رسانی کے تحمل کے لیے جس حوصلے اور جس دل و جگر کی ضرورت ہوتی ہے، وہ خوبی ان میں موجود ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ صبر و تحمل اور برداشت اتنی بڑی خوبی ہے کہ جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نبوت کے لیے انتخاب کرلیا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم دوسروں کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر آگ بگولہ ہو کر انتقام لینے کے بجائے برداشت سے کام لیں، اس سے گہرا دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔

حضرت صفوراء علیہا السلام واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر کوہِ طور کی تجلی کے بعد ایسا نور ہر وقت رہتا تھا کہ جو شخص بھی بغیر نقاب آپ کے چہرہ کو دیکھتا، اس کی آنکھ کی روشنی چکا چوند ہو کر ختم ہو جاتی۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ نقاب عطا فرمایئے جو اس طاقتور نور کو چھپالے اور آپ کی مخلوق کی آنکھوں کو نقصان نہ پہنچے۔

ارشاد ہوا کہ اپنے اس کمبل کا نقاب بنالو جو کوہِ طور پر آپ کے جسم پر تھا کیونکہ اس نے طور کی تجلی کو برداشت کیا ہوا ہے۔ اس کمبل کے علاوہ اے موسیٰ! اگر کوہ قاف بھی آپ کے چہرے کی تجلی بند کرنے کو آجائے تو وہ بھی کوہِ طور کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کمبل کا نقاب بنالیا اور نقاب کے بغیر عام لوگوں کو اپنا چہرہ دیکھنے سے منع فرمادیا۔ اس کمبل کے ٹکڑے نے وہ کام کیا جو آہنی دیواریں بھی نہ کرسکتی تھیں۔

اب حضرت صفوراء علیہا السلام جو آپ کی اہلیہ تھیں، اور آپ کے حسنِ نبوت پر عاشق تھیں، اس نقاب کی وجہ سے بے چین ہو گئیں اور جب آپ کی بیوی نے عشق و محبت سے مغلوب ہو کر شوق اور بے تابی سے نقاب اٹھا کر پہلے ایک آنکھ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے کے نور کو دیکھا اور اس سے وہ آنکھ غائب ہو گئی۔ اس کے بعد بھی ان کو صبر نہ آیا اور دوسری آنکھ بھی کھول دی اور اس دوسری آنکھ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر کوہِ طور کی تجلی کا نور دیکھنا چاہا تو وہ بھی بے نور ہو گئی۔

اس وقت حضرت صفورہ علیہا السلام سے ایک عورت نے پوچھا کہ کیا تمہیں اپنی آنکھوں کے بے نور ہونے پر کچھ غم اور افسوس نہیں ہوا؟

انہوں نے جواب دیا کہ مجھے تو یہ حسرت ہے کہ ایسی سینکڑوں اور ہزاروں آنکھیں اور بھی عطا ہو جاتیں تو میں ان سب کو اس محبوب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منور چہرے کے دیکھنے میں قربان کر دیتی۔

حق تعالیٰ کو حضرت صفورہ علیہا السلام کے عشق کا یہ مقام اور یہ کلام بہت پسند آیا اور خزانۂ غیب سے پھر ان کی دونوں آنکھوں کو ایسی بینائی کا نور بخش دیا جس سے وہ ہمیشہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کرتی تھیں، اور اس میں ایسی برداشت اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی تھی کہ وہ پھر کبھی بھی چہرۂ انور کے اس خاص نور سے ضائع نہ ہوئیں۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کے ساتھ محبت کرنا ان کو اتنا پسند ہے کہ اس کے صلہ میں بسا اوقات دنیا میں ایسی نعمتوں سے نوازتے ہیں کہ جن کا عام حالات میں ایک انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ حضرت صفورا علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے نابینا سے بینا کر دیا۔

چوہے اور مینڈک کی دوستی کا واقعہ

ایک دریا کے کنارے ایک چوہے سے ایک مینڈک کی دوستی ہو گئی، اور اُن کی یہ محبت عشق کی حد تک جا پہنچی، یہاں تک کہ دونوں ایک وقتِ معین پر ہر صبح کو

ملاقات کے پابند ہو گئے اور دیر تک دونوں تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ دونوں کا دل باہم ملاقات سے بہت خوش ہوتا۔ ایک دوسرے کو قصے سناتے بھی تھے اور سنتے بھی تھے۔ آپس میں راز و نیاز کی باتیں کرتے۔ بے زبان بھی تھے اور بازبان بھی تھے، جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو پانچ پانچ سال کے قصے یاد آجاتے۔

مینڈک سے ایک دن چوہے نے کہا کہ آپ تو پانی کے اندر دوڑ لگاتے رہتے ہیں اور ہم خشکی میں جدائی کا غم کھاتے ہیں۔ میں ندی کے کنارے تجھے آواز دیتا ہوں تو پانی کے اندر عاشقوں کی آواز سنتا ہی نہیں اور میں صرف تھوڑے سے مقررہ وقت پر گفتگو سے سیر نہیں ہوتا۔

چوہے نے پھر کہا: ”یار مینڈک! میں بدوں تیرا حسین چہرہ دیکھے ایک دم کو بھی چین نہیں پاتا۔ دن کو میری معاش تیرا دیدار ہے، رات کو میری تسلی اور قرار اور نیند تو ہی ہے۔ تیرا احسان ہو گا کہ تو مجھے خوش کر دیا کرے اور وقت بے وقت ملاقات کا لطف چکھا دیا کرے۔

اس چوہے نے مزید عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے مینڈک سے کہا کہ اے بھائی! میں خاکی ہوں اور تو آبی ہے، یعنی پانی کا رہنے والا ہے۔ میں پانی میں آ نہیں سکتا، مجبور ہوں اور تو خشکی میں آسکتا ہے، لیکن تم کو اطلاع کیسے کیا کروں کہ میں تم سے ملاقات کا مشتاق ہوں۔

خیر! دیر تک اس پر مشورہ ہوتا رہا اور آخر کار چوہے نے یہ رائے پیش کی کہ ایک لمبی ڈوری (رسی) لائی جائے اور ایک کنارہ اس کا تمہارے پاؤں میں بندھا ہوا ہو اور دوسرا سرا میرے پاؤں میں بندھا ہو۔ پس جب مجھ کو ملاقات کرنی ہوگی، ڈوری کو ہلا دوں گا تو اس طرح تمہیں پانی کے اندر ڈوری کی حرکت محسوس ہوگی اور تم

ندی کے کنارے آجایا کرنا۔اس طرح ہم دونوں کی ملاقات ہوجایا کرے گی۔

مینڈک کو چوہے کی یہ بات بری معلوم ہوئی اور دل میں کہنے لگا کہ یہ شاید خبیث مجھے اپنے قید و بند میں لانا چاہتا ہے۔

اس خیال کے باوجود مینڈک نے اپنے دل میں میلان پایا کہ چوہے کی درخواست قبول کرلے۔ عقل پر جب طبعی خواہش غالب ہوجاتی ہے تو یہ نہایت خطرناک مستقبل کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔

چنانچہ کچھ عرصہ تک یہ دونوں ڈوری ہلا کر بار بار ملاقات کی لذت کے عادی ہوگئے تھے کہ ایک دن اس بری صحبت کا انجام سامنے آیا کہ اس خبیث چوہے کو ایک چیل اپنے پنجے میں جکڑ کرلے اڑی اور ساتھ ہی ساتھ چونکہ ڈوری کا دوسرا سرا مینڈک کے پاؤں میں بندھا ہوا تھا، اس وجہ سے مینڈک بھی اپنی عافیت اور سکون کی جگہ پانی کے اندر سے لٹکا ہوا چیل کے ساتھ ساتھ اوپر فضا میں لٹک گیا۔

چوہے خبیث کا جو حشر ہوا وہی اس مینڈک کا بھی حشر ہوا، یعنی دونوں کو ہلاک کرکے چیل نے اپنا لقمہ بنالیا۔

اگر مینڈک پانی کے اندر رہتا اور چوہے خبیث سے دوستی کا یہ رابطہ قائم نہ کرتا تو پانی کے اندر چیل کی دشمنی اس کا کچھ بال بیکا نہ کرسکتی اور نہ ہی وہ اس چیل کا لقمۂ تر بنتا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اس واقعہ میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بری صحبت سے بچنے کی کس خوب صورت انداز سے ہدایت کی ہے کہ پر لطف قصہ بھی ہے اور ہدایت کی راہ بھی ہے۔

❖...... اس عبرتناک واقعہ سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ ہمیں برے لوگوں کے ساتھ

دوستی رکھنے اوران کی سوسائٹی سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ برا آدمی جب اپنی برائی کی وجہ سے کسی دینی اور دنیوی مصیبت میں پھنستا ہے تو اس کے ساتھ دوستی اور تعلق رکھنے والا بھی ساتھ ہی ہلاک و برباد ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے عزرائیل علیہ السلام (فرشتۂ موت) سے کہا کہ تم نے اب تک جتنے لوگوں کی روحیں قبض کی ہیں، تم کو ان سب میں کس پر زیادہ رحم آیا؟

انہوں نے جواب دیا کہ سبھی پر میرا دل غم سے نرم ہوتا ہے، مگر آپ کے حکم کی تعمیل پر سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ کس پر دل رقیق اور غمگین ہوا؟

حضرت عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا، اے ہمارے رب! ایک واقعہ نے میرے دل کو سب سے زیادہ غمزدہ کیا تھا اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن سمندر کی تیز لہروں پر ہم نے آپ کے حکم سے ایک کشتی توڑ دی یہاں تک کہ ریزہ ریزہ ہو گئی پھر آپ نے فرمایا کہ سب کی جان قبض کر لے سوائے ایک عورت اور اس کے بچے کے۔

اس گروہ کے سب لوگ ہلاک ہو گئے، بجز اس عورت اور اس کے بچے کے، کہ دونوں ایک تختے پر رہ گئے۔ تختے کو وہ موجیں چلاتی تھیں، جب کنارہ پر اس تختہ کو ہوا نے ڈالا تو دونوں کی خلاصی سے میرا دل خوش ہوا، پھر آپ نے فرمایا کہ اب ماں کی جان قبض کرو اور بچے کو تنہا چھوڑ دو، آپ کے حکم سے جب میں نے ماں کی جان قبض کی اور بچے کو تنہا چھوڑا اور بچہ ماں سے جدا ہو گیا، اس وقت آپ خود جانتے

ہیں کہ کس قدر مجھے غم ہوا اور ہمارے دل پر کیا گزری مگر ہم آپ کے حکم کی تعمیل پر مجبور تھے، آپ کے قضا اور فیصلے سے کون سرتابی اور روگشی کا پتہ رکھتا ہے۔

اے رب! میں نے ماں کی روح قبض کرتے ہوئے اپنے دل میں عظیم صدمہ برداشت کیا اور اس بچے کی یاد اور اس کی بے کسی اب تک میرے تصور و خیال سے نہیں گئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اب تم اس بچے کا ماجرا سنو کہ میں نے کس طرح اس کی پرورش کی، اس بچے کے لیے میں نے موجوں کو حکم دیا کہ اس کو ایک جنگل میں ڈال دو، اور ایسے جنگل میں جہاں سوسن، ریحان اور خوشبودار پھول ہوں اور میوہ دار درخت ہوں اور اس میں آبِ شیریں کے چشمے ہوں۔ میں نے اس بچے کو بے شمار نعمتوں سے پالا، لاکھوں سریلی آواز والے پرندوں نے جنگل کو اپنی آوازوں سے مسحور کر رکھا تھا، اس باغ میں سو آوازیں ڈال رکھی تھیں اور میں نے برگ نسرین سے اس کا بستر بنایا تاکہ مصیبتوں اور آفات سے وہ بچہ مامون رہے، میں نے سورج کو حکم دیا کہ اس کی طرف شعائیں تیز نہ کرا اور اپنی رفتار میں اس کا خیال رکھ۔ ہوا کو حکم دیا کہ اس پر آہستہ چل، بادل کو حکم دیا کہ اس پر بارش مت برسا، بجلی کو حکم دیا کہ اس پر تیزی سے مت گرج، موسمِ خزاں کو حکم دیا کہ چمن سے بہار ختم نہ کر، ایک مادہ چیتے نے نیا بچہ جنا تھا، میں نے اس کو حکم دیا کہ اس بچے کو دودھ پلائے، یہاں تک کہ وہ بچہ موٹا شیر کی طرح جوان ہو گیا۔

جب دودھ چھڑانے کا وقت آیا تو میں نے جنات کو حکم دیا کہ اس کو بولنا اور حکومت کرنا سکھاؤ، اس کی میں نے اس طرح پرورش کی جو تمام مخلوقات کے لیے عجیب اور حیرت انگیز ہے اور میرے کام اسی طرح عجیب و غریب ہوتے ہیں۔

غرض اس بچے پر میں نے سینکڑوں عنایات اور سینکڑوں کرم نوازیاں کیں تاکہ وہ میرا لطف وکرم اسباب کے بغیر دیکھ لے۔

مگر اے عزرائیل! اس بچے نے میرا شکر کیا ادا کیا؟ یہی بچہ نمرود ہوگیا اور میرے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو جلانے والا نکلا، اس کا ارادہ یہی تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل پر نمرود کی آگ کو گلزارِ امن بنادیا"۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کا شکر ادا کریں، مال و دولت اور عہدہ ومنصب سے مغرور ہوکر سرکشی پر نہ اتریں، ورنہ اس کا انجام بھی نمرود کی طرح ہوگا اور دنیا وآخرت دونوں برباد ہوجائیں گے۔

- ...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ہمیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے انعامات پر نظر رکھتے ہوئے اس کا شکر گزار بندہ بننا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی نعمتوں کی وجہ سے مغرور ہوکر سرکشی پر اتر آئیں اور پھر ہمارا حشر ویسا ہی عبرتناک ہو جس طرح کہ ہم سے پہلے گزرے ہوئے سرکش لوگوں کا ہوا تھا۔

ایک اللہ والے کی "آہ" کی قبولیت کا واقعہ

ایک بزرگ جو ہمیشہ باجماعت نماز پڑھا کرتے تھے، ایک دن کسی نماز کے لیے مسجد کے دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ امام مسجد سے اونچی آواز سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کی آواز سنی، جماعت کی نماز ختم ہوجانے سے ان بزرگ کو بہت صدمہ ہوا۔

چنانچہ ان کی جماعت فوت ہونے کے غم سے آہ نکلی، اور آہ بھی درد سے نہایت پُر تھی، کیونکہ اس صدمے سے ان کا دل خون ہو گیا تھا اور ان کی آہ میں ان کے دل کے خون کی بو آرہی تھی۔

مسجد میں ایک دوسرے اللہ والے بزرگ تھے انہوں نے دیکھا کہ ایک روشنی مسجد کے اندر سے باہر آئی اور عرش تک چلی گئی۔ یہ اٹھ کر باہر آئے اور دریافت کیا کہ یہ کس کا نور تھا؟ معلوم ہوا کہ کوئی صاحب ہیں، جن کی جماعت فوت ہو جانے سے بڑی درد بھری آہ نکل گئی۔ یہ اللہ والے سمجھ گئے کہ بس اسی آہ کا یہ نور تھا۔

اِس بزرگ نے پہلے بزرگ سے عرض کیا کہ حضرت! آپ مجھے اپنی یہ آہ یعنی اس کا ثواب دے دیجیے اور میری نماز باجماعت اس کے بدلہ میں لے لیجیے۔

انہوں نے اپنی آہ کا نور اور اس کا مقام نہ سمجھا اور نماز باجماعت سے تبادلہ کر لیا۔

رات کو اس بزرگ نے جنہوں نے نماز باجماعت کے بدلے ''آہ'' خریدی تھی۔ خواب میں دیکھا کہ ایک غیب سے پکارنے والا کہہ رہا تھا کہ اے شخص! تو نے آبِ حیات اور آبِ شفا خریدا ہے، اور تو نے اس ''آہ'' کا بہت اچھا تبادلہ کیا، کیونکہ یہ ''آہ'' اس بندے کی نہایت پُر خلوص تھی۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس آہ کی مقبولیت اور تیرے اس تبادلہ اور اختیار کی برکت سے اس وقت کی روئے زمین کے تمام مسلمانوں کی نماز قبول فرمالی۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بندہ ندامت اور توبہ کے آنسوؤں کی برکت سے بسا اوقات عمل کرنے والوں سے بھی اونچا درجہ پالیتا ہے۔

❖...... اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بندہ جس قدر اخلاص اور عجز وانکسار کے

ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتا ہے اسی قدر وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں شرفِ قبولیت حاصل کرلیتا ہے۔

ہاتھی کی پہچان میں اختلاف کا واقعہ

ایک ملک میں ہاتھی کو کسی نے کبھی نہ دیکھا تھا، ایک مرتبہ وہاں ہندوستان سے ہاتھی درآمد کیا گیا اور اس کو کسی تاریک گھر میں رکھا گیا جہاں آنکھوں سے وہ ہاتھی نظر نہ آتا تھا۔

تاریک گھر اور ہاتھی بھی سیاہ فام اور دیکھنے والوں کا ہجوم تھا۔ ہر شخص کو جب آنکھوں سے کچھ نہ دکھائی دیتا تو تاریکی میں ہی ہاتھ سے ٹٹول کر اپنے ذہن میں ہاتھی کی تصویر قیاس کرتا۔ جس شخص کے ہاتھ میں جو حصہ ہوتا وہ اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق فیصلہ کرلیتا۔

چنانچہ جس شخص کے ہاتھ میں اس کا کان آیا تھا، اس نے کہا یہ تو ایک بڑا سا پنکھا معلوم ہوتا ہے، اور جس شخص کا ہاتھ اس کی پشت پر تھا، اس نے کہا یہ تو تخت کی طرح کوئی چیز ہے اور جس شخص کا ہاتھ اس کے پاؤں پر تھا، اس نے ٹٹول کر کہا نہیں آپ لوگ غلط کہتے ہیں، یہ تو ستون کی طرح کوئی چیز ہے، جس شخص کا ہاتھ اس کی سونڈ پر پڑا اس نے کہا، یہ میری تحقیق میں پرنالے کی طرح ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام اہلِ عقل ہاتھی کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان ہاتھوں میں کوئی شمع ہوتی تو اس کی روشنی میں یہ سب اختلاف سے محفوظ رہتے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں اتفاق پیدا کرنے اور ان کے آپس میں اختلافات ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دل کا نور حاصل کریں اور اس نور کے ذریعے سے جب ان کے دلوں سے جہالت کا اندھیرا اور بُرے اخلاق کے کانٹے ختم ہوں گے تو حق کا راستہ سب پر واضح ہوجائے گا اور اختلافات مٹ جائیں گے۔ اور دل کا نور حاصل کرنے کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع اور اللہ والوں کی صحبت علمائے کرام کی معیت ہے اور ان نیک لوگوں اور اللہ والوں کی صحبت کی برکت سے جو سو فیصد سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں تو خود سنت پر چلنا آسان ہوجاتا ہے۔

مکھی کی خودپسندی کا واقعہ

کسی جگہ ایک گدھے نے پیشاب کیا، چنانچہ اس کی مقدار اس قدر تھی کہ گھاس کے تنکے بھی اس کے بہاؤ کی زد میں بہنے لگے۔

ایک مکھی ایک تنکے پر بیٹھ گئی اور گدھے کے بہتے ہوئے پیشاب پر اس نے اپنے دل میں محسوس کیا کہ گویا میں دریا میں سفر کر رہی ہوں اور یہ بہتا ہوا تنکا ایک عجیب کشتی ہے۔ دوسری مکھیوں کے مقابلہ میں اپنے دل میں اسے اپنی برتری کا احساس ہونے لگا اور یہ لطف اس نے پہلے کبھی نہ پایا تھا، لہٰذا اس کے خیال میں یہ

بات جم گئی کہ اب میں دوسری مکھیوں پر اپنی فوقیت اور بلندی کا اعلان کردوں۔

چنانچہ مکھی نے خود پسندی میں مبتلا ہوکر کہا کہ میں نے دریا اور کشتی رانی کا فن پڑھا اور اس میں بہت ماہر ہوں، اور اس علم کے حصول کی فکر میں مَیں نے ایک طویل مدت صَرف کی ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مکھی جس حماقت میں گرفتار تھی، اسی طرح ہمارے عقلائے زمانہ نے اپنے وہموں، باطل خیالات اور نظریات کا نام تحقیق رکھا ہوا ہے اور وحیِ الٰہی کے آفتاب سے استفادہ کرنے میں اپنی توہین سمجھتے ہیں اور جس طرح چمگادڑ سورج سے اعراض کرتے ہوئے الٹا لٹکنے کو کمال سمجھتی ہے، اسی طرح یہ لوگ برے خیالات کی تاریکیوں میں الٹا لٹکنے کو کمالِ انسانیت سمجھتے ہیں۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ میں قرآن وسنت اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف بزرگانِ دین کے راستے سے ہٹ کر خود ہی حق کا راستہ پالوں گا اور محقق بن جاؤں گا، تو یہ اس کا وہم اور خام خیالی ہے۔ اس طرح وہ ساری زندگی خوش فہمی میں مبتلا رہے گا، مگر کبھی منزلِ مقصود یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کو نہیں پاسکتا۔

چمڑا رنگنے والے شخص کا واقعہ

ایک چمڑے کا کام کرنے والا شخص ایک دن بازار سے گزر رہا تھا کہ اچانک خوشبو والی دکانوں کے بازار میں پہنچ گیا اور یہ عطر فروشوں کی دکان کی خوشبو کو برداشت نہ کرسکا کیونکہ بدبودار ماحول میں رہتے رہتے بدبو ہی اس کی طبیعت ثانیہ (Nature) بن چکی تھی، پس عطر کی خوشبو سے یہ شخص بے ہوش ہو کر سڑک پر گر پڑا۔

اب کیا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے مخلوق کا ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ اس کو ہوش میں لانے کے لیے کوئی وظیفہ پڑھ کر دم کر رہا ہے، کوئی اس پر گلاب کا پانی چھڑک رہا ہے، کوئی ہاتھ پاؤں کی ہتھیلی اور تلووں کی مالش کر رہا ہے، کوئی اعلیٰ قسم کے عطر اور پرفیوم سنگھا رہا ہے، لیکن ان تدابیر سے بجائے افاقہ ہونے کے بے ہوشی اور بڑھتی جا رہی تھی۔

اچانک اس کے بھائی کو جب یہ خبر ہوئی تو دوڑ کر آیا اور فوراً خوشبو سونگھ کر سمجھ گیا کہ یہ اسی خوشبو کی وجہ سے بے ہوش ہوا ہے۔ اس نے اعلان کیا کہ خبردار! اس پر نہ تو گلاب کا عطر چھڑکا جائے اور نہ کوئی اور خوشبو قریب لائی جائے۔ اور زبان حال سے یہ شعر پڑھا۔

میر بھی کیا سادہ ہیں کہ بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

یہ فوراً وہاں سے غائب ہوا اور کتے کا پاخانہ آستین میں چھپا کر ہجوم کو چیرتا ہوا واپس بھائی کے پاس پہنچا اور اس کی ناک میں داخل کر دیا۔

اس کی بدبو سے فوراً اسے ہوش آ گیا۔ مخلوق ورطۂ حیرت میں ڈوب گئی کہ اس کے بھائی نے کونسا قیمتی عطر سنگھا دیا جو یہاں عطاریوں کے پاس بھی نہ مل سکا تھا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

- ...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کرنے میں لذت حاصل ہوتی ہو اور اس کے برعکس شریعت کے احکام کی اتباع سے گھبراہٹ پیدا ہوتی ہو، اہل اللہ اور نیک لوگوں کی صحبت و مجلس میں دل گھبراتا ہو، اس کی روح بھی گناہوں کی بدبو اور گندگیوں سے اس قدر مانوس ہو جاتی ہے کہ جس طرح چمڑا رنگنے والے کا دماغ بدبو کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے۔ اور خوشبو سے اس پر بے ہوشی طاری ہوتی ہے۔
- ...... لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی روح اور نفس کی پاکیزگی کی فکر کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر، قرآن کریم کی تلاوت اور نیکی کی خوشبو کا مزہ پاسکیں۔

ایک شہزادے پر جادو کے اثر کا واقعہ

ایک بادشاہ کا ایک ہی لڑکا تھا۔ یہ حسنِ صورت اور حسنِ سیرت دونوں ہی سے آراستہ تھا۔ بادشاہ نے اس شہزادے کی ایک حسین شہزادی سے شادی کرنا چاہی اور کسی زاہد و پرہیزگار صالح خاندان میں رشتہ طے کرنا شروع کیا۔

اس سلسلہ کی خبر شہزادے کی ماں کو ہوئی تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ آپ نیکی اور تقویٰ و زہد کو تو دیکھ رہے ہیں لیکن آپ کے مقابلے میں باعتبار عزت و مال کے وہ خاندان نہایت کمتر ہے۔

بادشاہ نے ملکہ کو ڈانٹتے ہوئے جواب دیا: ”دور ہو جا بے وقوف! جو شخص دین کا غم اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے تمام دنیاوی غموں کو دور کر دیتا ہے۔“

اور یہ بھی یاد رکھ! آخرت کا غم موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی طرح ہے، جو جادوگروں کے سانپ، بچھوؤں کو نگل گیا تھا، اسی طرح آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا غم دنیا کے تمام غموں کو نگل جائے گا۔

بالآخر بادشاہ اپنی ملکہ پر اپنی رائے کو غالب رکھنے میں کامیاب ہو گیا اور شہزادے کی شادی اس نیک سیرت لڑکی سے کر دی۔

رخصتی کے بعد طویل عرصے تک انتظار کیا مگر اس شہزادے سے کوئی لڑکا پیدا نہ ہوا۔ چنانچہ بادشاہ کو فکر ہوئی کہ آخر کیا بات ہے!! شہزادے کی بیوی تو بہت خوبرو، حسین اور بے مثل ہے، لیکن اولاد کیوں نہیں ہوتی۔

اپنے مخصوص مشیروں اور علماء وصلحاء کو جمع کیا اور خفیہ طور پر اس مسئلے کے بارے میں ان سے مشورہ کیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس شہزادے پر ایک بوڑھی جادوگر عورت نے جادو کروا دیا ہے جس سے یہ اپنی چاند جیسی حسین بیوی سے نفرت کرتا ہے اور اس بدصورت کالی کلوٹی عورت کے پاس جایا کرتا ہے اور اُس کے عشق میں جادو کی وجہ سے ایک عرصے سے اسیر ہے۔

بادشاہ کو اس اطلاع سے بے حد غم اور صدمہ ہوا اور اس نے بہت صدقہ و خیرات کیا، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں بہت رویا، ابھی رونے سے فارغ نہ ہوا تھا کہ مردِ غیبی نمودار ہوئے اور کہا کہ آپ میرے ساتھ ابھی قبرستان چلیں۔

بادشاہ ان کے ہمراہ قبرستان گیا۔ انہوں نے ایک پرانی قبر کھودی اور اس میں بادشاہ کو دکھایا کہ ایک بال دفن تھا، جس میں جادو کی سو گرہیں لگائی گئی تھیں۔

اس مردِ غیبی نے ایک ایک گرہ کو کچھ دم کرکے کھولا اور ادھر وہ شہزادہ صحت یاب ہوتا گیا، حتیٰ کہ آخری گرہ کھلتے ہی شہزادہ اس خبیث بوڑھی کے عشق سے نجات پا گیا اور اس کی آنکھوں کی وہ نظر بندی جاتی رہی، جس سے حسین بیوی خراب، بری اور وہ بدصورت خبیث بوڑھی عورت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔

صحت کے بعد پھر اس بوڑھی کو شہزادے نے جب دیکھا تو اس کو نفرت و سخت کراہت محسوس ہوئی اور اپنی عقل پر حیرت کر رہا تھا اور اپنی حسین بیوی کو جب اس نے دیکھا تو اس کے چاند سے حسین چہرہ کو دیکھ کر برداشت نہ کر سکا اور بے ہوش ہو گیا۔ کچھ آہستہ آہستہ ہوش آیا اور آہستہ آہستہ اس کے حسن کا تحمل بھی ہونے لگا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ کے بعد مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ بڑے جوشِ ایمان کے ساتھ نصیحت فرماتے ہیں:

''اے لوگو! آپ کی مثال شہزادے کی سی ہے اور دنیا کی مثال بوڑھی عورت کی طرح ہے۔ اس نے عاشقانِ دنیا پر جادو کر رکھا ہے، جس سے وہ اس دنیا کی فانی رونقوں کے عشق میں مبتلا ہو کر آخرت اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و تجلیات سے اعراض کرتے ہیں۔ ورنہ دنیا کی حقیقت صرف اتنی ہے، جس کو حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

جہاں در اصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خوابِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

ایک جگہ فرمایا۔

رنگ رلیوں پہ زمانہ کی نہ جانا اے دل!
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے
(مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ دنیا نے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر حیثیت نہیں رکھتی ہمارے اوپر جادو کر رکھا ہے۔ اگر اللہ والوں کی صحبت کی برکت سے اس جادو کو توڑ ڈالیں تب ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور جنت کی ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کی خوب صورتی کا احساس ہو۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اخلاص کا واقعہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اخلاص کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار آپ نے ایک کافر کو مقابلے کے وقت زیر کرلیا اور اس کے سینے پر سوار ہو کر بیٹھ گئے اور اس کافر کو قتل کرنے کے لیے اپنی تلوار نکالی کہ اچانک اس کافر نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا۔ (معاذ اللہ!)

اس کافر کی اس گستاخی کے سبب آپ کے نفس کو ناگواری ہوئی، اور آپ نے شدید غصے کے باوجود تلوار کو میان میں رکھا اور اس کے سینے سے علیحدہ ہو گئے اور اس کے قتل سے ہاتھ روک لیا۔

اس کافر نے کہا اے امیر المؤمنین! یہ کیا بات ہے میری تھوکنے والی گستاخی کے بعد تو آپ کو فوراً مجھے قتل کرنا چاہیے تھا اور آپ مجھ پر ہر طرح غالب تھے، وہ کون سی بات ہے جو آپ کو قتل سے روک رہی ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ او کافر! میں تجھے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے قتل کرنے کا ارادہ کر رہا تھا، مگر تو نے میرے چہرے پر تھوک کر میرے نفس کو غضب ناک کر دیا۔

اب اگر میں تجھے قتل کرتا تو یہ فعل میرے نفس کے غضب اور غصے کی وجہ سے ہوتا، اخلاص سے نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اخلاص کے بغیر کسی عمل کو قبول نہیں فرماتے، لہٰذا تیرا قتل کرنا مجھے اسلام کے خلاف معلوم ہوا۔ اس لیے میں اس فعل سے باز رہا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس بات کو سن کر وہ کافر محوِ حیرت رہ گیا اور اس کے دل میں ایمان کی شمع روشن ہو گئی اور اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! میں ایسے دین کو قبول کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں، جس میں اخلاص کی ایسی تعلیم دی جاتی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک یہ دین سچا ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ سے اعمال میں اخلاص کا بہت بڑا سبق ملتا ہے، جو کام بھی کرے، نیت درست کرے۔ اگر اخلاص ہو تو دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کسبِ حلال کے لیے "امرود لے لو امرود لے لو" کہتا ہے اور نیت ہے اس سے بال بچوں کے لیے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حلال روزی کماؤں گا، ہر مرتبہ "امرود لے لو" کہنے پر اس کے لیے ثواب لکھا جائے گا اور اگر سبحان اللہ، سبحان اللہ کہہ رہا ہے اور نیت یہ ہے کہ اس

سے لوگ مجھے بزرگ اور نیک سمجھ کر اپنا مال حوالے کریں گے اور دنیا ملے گی تو اس کا سبحان اللہ بھی دنیا ہے دین نہیں۔ لہٰذا اخلاص بہت ضروری ہے ورنہ سب کیا دھرا اکارت اور ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنا

ایک مرتبہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی بیمار ہو گئے اور بیماری کے سبب انتہائی کمزور ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے اور یہ ان کا آخری وقت تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ بہت نقاہت ہے اور حالتِ نزع طاری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حالت کو دیکھ کر بہت ہی نوازش اور اظہارِ لطف فرمایا۔

اس بیمار صحابی رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو خوشی سے نئی زندگی محسوس کی اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی مردہ اچانک زندہ ہو گیا ہے۔

وہ صحابی (رضی اللہ عنہ) عرض کرنے لگے، اس بیماری نے مجھ کو خوش نصیب اور خوش قسمت کر دیا کہ جس کی بدولت ہمارے سلطان المؤمنین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے اور عیادت فرما رہے ہیں۔

اس صحابی رضی اللہ عنہ نے جوشِ محبت میں مزید کہا "اے میری بیماری اور بخار! اے میرے رنج اور میری شب بیداری! تجھے مبارک ہو کہ تو ہی سبب ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے ہیں"۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں کچھ یاد ہے کہ تم نے ایک بار حالتِ صحت میں کیا دعا کی تھی؟

انہوں نے کہا مجھے تو یاد نہیں آتا کہ کیا دعا کی تھی۔ اس کے تھوڑے ہی دیر بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے ان کو وہ دعا یاد آ گئی اور عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے وہ دعا یاد آ گئی۔

وہ دعا یہ تھی کہ میں اپنے اعمال کی کوتاہیوں اور خطاؤں کے پیشِ نظر دعا میں یہ کہا کرتا تھا کہ اے اللہ! وہ عذاب جو آخرت میں آپ دیں گے وہ اسی عالم میں یعنی دنیا ہی میں مجھ پر جلد دے دیجیے تاکہ عالمِ آخرت کے عذاب سے فارغ ہو جاؤں اور یہ درخواست اب تک میں کرتا رہا یہاں تک کہ یہ نوبت آ گئی کہ مجھ کو ایسی شدید بیماری نے گھیر لیا اور میری جان اس تکلیف سے بے آرام ہو گئی، اور اس بیماری کے سبب میں اپنے ذکر اور ان وظیفوں سے جو حالتِ صحت میں میرے معمولات تھے عاجز اور مجبور ہو گیا ہوں، اور اپنے اقربا اور ہر نیک و بد سے بے خبر پڑا ہوں"۔

اس طرح دعا مانگنے کے انداز کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن کر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور منع فرمایا کہ آئندہ ایسی دعا کبھی مت کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی دعا کو عبدیت کے خلاف قرار دیا۔ یعنی یہ آدابِ بندگی کے خلاف ہے کہ اپنے مولیٰ سے بلا و عذاب طلب کرے کیونکہ ایسی دعا کرنا گویا ایک طرح کا اللہ تعالیٰ کے سامنے دعویٰ کرنا ہے کہ ہم آپ کی بلا و عذاب کو برداشت کر سکتے ہیں۔

چنانچہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نصیحت فرمائی کہ "کیا تو طاقت رکھتا ہے کہ تجھ جیسی بیمار چیونٹی پر خدائے پاک ایسا بڑا پہاڑ اپنی بلا کا رکھ دیں؟"

اور آپ نے مزید تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اب اس طرح سے دعا کرو کہ اے اللہ! میری دشواری کو آسان کر دیجیے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری مصیبت کے کانٹے کو گلشنِ راحت سے تبدیل فرما دے۔

اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اے اللہ! دنیا میں بھی مجھے بھلائیاں عطا فرما اور آخرت میں بھی ہم کو بھلائیاں عطا فرما“۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ سے بلا نہ مانگے، ہمیشہ دونوں جہاں کی عافیت مانگتا رہے اور اپنے رب کے سامنے اپنے ضعف اور عاجزی کا اقرار کرتا رہے۔

مثلاً اگر کسی شخص کو بدنگاہی کی بیماری ہے تو اللہ تعالیٰ سے اصلاح کی دعا کرے مگر کبھی پریشان ہو کر یہ نہ کہے کہ یا اللہ یہ بیماری تو میری اچھی نہیں ہوتی، اس سے تو بہتر ہے کہ تو مجھے اندھا کر دے تا کہ آنکھوں سے گناہ نہ ہو۔ ایسی دعا جہالت اور نادانی ہوگی۔ خوب سمجھ لینا چاہیے! جہاں تک ممکن ہو بلا سے بچنے کا اور عافیت کا سوال کرو۔

شاہی باز اور الوؤں کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک بادشاہ کا باز اڑتے اڑتے ایک ایسے ویرانے میں پہنچ گیا جہاں بہت سے الّو رہتے تھے۔ وہاں جتنے الّو تھے انہوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور الزام تراشی شروع کر دی کہ یہ باز ہمارے ویرانے پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

چنانچہ یہ باز ان بے وقوفوں کے اندر بہت گھبرایا اور ان سے کہا کہ میں یہاں نہ ٹھہروں گا، میں بادشاہ کی طرف واپس جاتا ہوں اور یہ ویرانہ تمہیں مبارک ہو۔ میرا مقام تو بادشاہ کے پنجے اور کلائی ہوتا ہے۔

الوؤں نے بازِ شاہی کی بات سن کر کہا کہ یہ باز حیلہ و مکر کر رہا ہے اور اس طرح ہمارا استحصال کرنا چاہتا ہے اور یہ باز ہمارے گھروں پر اپنے مکر سے قبضہ کر لے گا اور اس خوشامد و سیاست سے ہمارا آشیانہ اکھاڑ پھینکے گا اور ہماری بستی اجاڑ دے گا۔

باز نے محسوس کیا کہ یہ نادان احمق الو مجھ پر کہیں حملہ نہ کر دیں، اس لیے اس نے کہا: ''اگر تم لوگوں کی شرارت سے میرا ایک پر بھی ٹوٹ گیا تو میں جس بادشاہ کا ہوں وہ تمہارے پورے علاقے الوستان ہی کو جڑ سے اکھاڑ کر تباہ کر دے گا''۔

اور ہاں یہ بھی سنو! بادشاہ کی عنایت میری حفاظت کرتی ہے اور میں کہیں بھی چلا جاؤں مگر بادشاہ کی نگاہِ حفاظت بھی میرے ساتھ ہے۔ بادشاہ کے دل میں ہر وقت میرا خیال ہے۔

''یاد رکھو! میں بازِ شاہی ہوں مجھ پر تو ھما بھی رشک کرتا ہے یہ تم جیسے الو بے وقوف ہمارے اسرار کو کیا جانیں گے''۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی طرح بعض اوقات اولیاء اللہ جو بازِ شاہی کی طرح اور جانباز الٰہی ہیں وہ بھی دنیادار بے وقوفوں کی نگاہوں میں ایسے ہی پہچانے جاتے ہیں جس طرح الوؤں نے بازِ شاہی کے متعلق قیاس آرائیاں کی ہیں۔ اسی طرح اللہ والوں کو ستانے والے بھی قیاس آرائیاں کرتے ہیں اور ان کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت کرتی ہے اور وہ کسی وقت بھی شاہِ حقیقی یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہِ حفاظت اور نگاہِ عنایت سے دور نہیں ہیں، خواہ کہیں بھی ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے: ''فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا'' بے شک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کفار آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے کہ آپ ہر وقت میری نگاہِ حفاظت میں ہیں۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کے تعلق کی عظیم نعمت و دولت موجود ہو اس کی نظر بھی ہر وقت بادشاہِ حقیقی پر ہوتی ہے اور ساری دنیا اس کی نظر میں ''الوستان'' (الوؤں کی بستی) کی طرح ویرانہ محسوس ہوتی ہے اور یہ شخص دنیا کے ویرانے میں کہیں بھی خوف زدہ نہیں ہوتا۔

ایک مور اور حکیم کی آپس میں گفتگو کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مور اپنے خوبصورت پروں کو نوچ نوچ کر پھینک رہا تھا۔ ایک حکیم (دانا شخص) کا وہاں سے گزر ہوا، اس نے یہ ماجرا دیکھ کر معلوم کیا کہ اے مور! ایسے خوبصورت پروں کو اکھاڑ کر کیوں اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے؟

مور نے جواب دیا کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہر طرف سے سینکڑوں بلائیں اور مصیبتیں انہی پروں کی وجہ سے میری طرف آتی ہیں۔

مور نے مزید وضاحت کرتے ہوئے اس سے کہا:

''اکثر اوقات ظالم شکاری انہی پروں کو حاصل کرنے کے لیے ہر طرف جال بچھاتا ہے۔ جب میں ان بلاؤں اور فتنوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے پر قادر نہیں ہوں تو اس سے یہ بہتر ہے کہ میں اپنے پروں کو دور کر دوں اور اپنی صورت کو مکروہ بنالوں تاکہ پہاڑوں اور میدانوں میں شکاریوں کے جال سے بے فکر ہو جاؤں۔

مور نے نتیجہ خیز گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میرے نزدیک جان کی حفاظت بال و پَر کی حفاظت سے زیادہ ضروری اور اہم ہے۔ اگر جان بچ جائے اور اس کے مقابلے میں جسم کو نقصان ہو جائے تو کوئی غم اور پریشانی کی بات نہیں ہے۔"

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے اللہ والے بھی اپنے آپ کو شہرت سے دور رکھتے ہیں، کیوں کہ شہرت کے ساتھ ساتھ بہت سی بلائیں بھی ساتھ آتی ہیں۔ اور عافیت و سکون برباد ہو جاتا ہے چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کھل کر اس بات کی ہمیں نصیحت فرماتے ہیں۔

"اپنے کو بے نام و نشاں اور عاجز و مسکین بنا کر رکھو تا کہ یہ حالت تم کو شہرت سے دور رکھے۔ کیونکہ شہرت سے گوشۂ عافیت چھن جاتا ہے اور شہرت بہت سی بلائیں اپنے ساتھ لاتی ہے"۔

البتہ اگر خود حق تعالیٰ کسی کامل کو مشہور فرما دیں تو پھر انہیں کی حفاظت بھی سایہ فگن ہوتی ہے، وہ شہرت قابلِ مذمت ہے جو خود کوشش کر کے حاصل کی جاتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک بار حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے یہاں چند مہمان آئے۔ کھانا کھانے کے بعد دستر خوان کا رنگ زرد ہو گیا۔ دستر خوان میں شوربا لگ جانے کے بعد اس کی صفائی کے لیے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خادمہ کو حکم دیا کہ اس کو جلتے ہوئے

تنور میں ڈال دو۔

خادمہ نے حسب حکم ایسا ہی کیا اور دستر خوان کو آگ میں ڈال دیا۔ تمام مہمانوں کو اس حکم سے حیرت ہوئی اور دستر خوان کے جلنے اور اس سے دھواں اٹھنے کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن اس کو جب تنور سے نکالا گیا تو بالکل محفوظ تھا اور صاف ہو گیا تھا۔

لوگوں نے کہا کہ اے صحابی رضی اللہ عنہ! ہمیں بتلایئے یہ دستر خوان آگ میں کیوں نہ جلا اور بجائے جلنے کے اور زیادہ صاف ستھرا کیسے ہو گیا؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دستر خوان سے بارہا اپنے دستِ مبارک اور لب مبارک کو صاف کیا تھا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ سے ہر اس شخص کو نصیحت فرماتے ہیں جس کا دل جہنم کی آگ اور عذاب سے خوفزدہ ہے اسے چاہیے کہ ایسے مبارک ہاتھوں اور لبوں سے قریب ہو جائے جن کی برکت سے آگ جلانے سے باز آ جاتی ہے۔ جس کا طریقہ صرف اور صرف اتباعِ سنت ہے۔

اس لیے کہ جب جمادات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک لبوں نے یہ شرافت عطا فرمائی ہے تو اپنی عاشق جانوں کو تو نہ معلوم کیا کچھ عطا فرمایا ہوگا۔

جب دستر خوان کو حسی قُرب سے یہ شرف عطا ہوا تو اتباعِ سنت جو قربِ معنوی اور قربِ حقیقی ہے اس سے تو کیا ہی کچھ انعامات دونوں جہاں میں عطا ہوتے ہیں!!! اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتباعِ سنت کی توفیق نصیب فرمائیں اور اس عظیم نعمت پر حریص فرمائیں۔

خلافتِ فاروقی میں ایک چور کی گرفتاری کا واقعہ

ایک چور حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں آپ کی عدالت میں جلادوں کے سپرد کیا گیا۔ اس نے فریاد کی کہ مجھے معاف کر دیا جائے، یہ پہلی بار کا جرم ہے آئندہ نہ کروں گا۔

چنانچہ چور نے لجاجت کرتے ہوئے کہا اے امیر المؤمنین! یہ میرا پہلا جرم ہے، مجھے درگزر کر دیجیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ پہلی خطا پر قہر نازل نہیں فرماتے۔

اکثر اپنے فضل کے اظہار کے لیے بندوں کے جرائم کی پردہ پوشی فرماتے ہیں۔ پھر جب کوئی حد سے گزر جاتا ہے تو پھر اپنے عدل کے اظہار کے لیے اسے مصیبت میں گرفتار اور رسوا کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی دونوں ہی صفات کا ظہور ہو جائے ایک صفت ''بشیر'' ہے یعنی خوشخبری دینے والے اور دوسری صفت ''نذیر'' یعنی ڈرانے والے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مریض کی عیادت کرنا

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ! تم نے میری بیماری میں میری عیادت نہیں کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! آپ نقص اور بیماری

سے پاک ہیں اور آپ کے اس ارشاد میں کیا راز ہے؟ ہم پر ظاہر فرما دیجیے۔

غیب سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میرا ایک خاص بندہ جو میرا برگزیدہ اور پیارا ہے، بیمار ہو گیا۔

اس مقربِ بارگاہ کی معذوری میری معذوری ہے اور اس کی بیماری میری بیماری ہے۔ تمہارے اس کی عیادت کے لیے جانے میں تمہارا ہی فائدہ ہے اور اس کا فائدہ، ثواب اور خاص بندے کی دعا کا ثمرہ سب کچھ تمہیں لوٹ کر ملے گا۔

مولانا جلال الدین رومی علیہ السلام فرماتے ہیں اگر کوئی دشمن بھی بیمار ہو تو بھی اس کی عیادت بہتر ہے کیونکہ احسان سے دشمن بھی بسا اوقات دوست ہو جاتا ہے۔

اگر اس عمل سے دوست نہ بھی ہوا تو کم از کم اس کی عداوت اور کینے میں کمی ہو جائے گی، اس واسطہ کہ احسان کینے کے زخم کے لیے مرہم ثابت ہوتا ہے۔

احسان کے بہت سے فوائد اس کے علاوہ بھی ہیں، لیکن مضمون کے لمبا ہونے کے خوف سے اسے چھوڑ رہا ہوں۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے خاص بندوں سے کس قدر تعلق ہے کہ ان کی بیماری کو اپنی بیماری فرمایا، اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی محبوبیت کا مقام معلوم ہوتا ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمنشینی کا طالب ہو، اس کو چاہیے کہ وہ اولیاء کی مجلس میں بیٹھا کرے اور ان کی محبت و خدمت کو بالواسطہ محبت الٰہی اور خدمتِ الٰہی سمجھے۔

آبِ حیات کی تاثیر رکھنے والے درخت کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک دانا شخص نے امتحان کے طور پر کسی سے کہا کہ ہندوستان میں ایک درخت ایسا ہے کہ جو کوئی اس کا میوہ کھالیتا ہے کبھی نہیں مرتا۔ اس خبر کو جب بادشاہ نے سنا تو وہ اس درخت کے لیے عاشق اور دیوانہ ہو گیا اور فوراً ایک قاصد اس درخت کی تلاش کے لیے ہندوستان بھیجا۔ یہ قاصد سالہا سال ہندوستان کے اطراف وجوانب میں سرگرداں پھرتا رہا اور اُسے کہیں ایسا درخت نہ ملا۔ جس سے بھی دریافت کرتا لوگ اس کو جواب دیتے کہ ایسے درخت کو صرف پاگل، دیوانے تلاش کرتے ہیں، چنانچہ سب لوگ اس کا مذاق اڑاتے۔

جب یہ شخص غریب الوطنی اور سفر کی مشقتوں سے تھک کر چور ہو گیا تو نامراد اور مایوس ہو کر واپسی کا عزم کیا۔ واپسی کے وقت راستہ میں ایک شیخ ملے جو اپنے زمانے کے قطب تھے۔ جس مقام پر یہ شخص نادم اور مایوس ہو کر واپسی کا عزم کر رہا تھا وہیں ایک بڑے قطبِ وقت اور صاحبِ کرم بزرگ رہتے تھے۔

یہ شخص شیخ کے پاس روتا حاضر ہوا اور عرض کیا: ''اے شیخ! میں اپنے مقصد اور مراد میں ناامید ہو گیا ہوں۔ یہ آپ کی مہربانی کا وقت ہے آپ میرے ساتھ تعاون فرمائیں۔''

شیخ نے دریافت کیا کہ تمہاری نامرادی کیا ہے اور تیرا مقصد کیا ہے؟

اس نے عرض کیا کہ میرے بادشاہ نے مجھے یہ کام سپرد کیا تھا کہ میں ایسے درخت کو معلوم کرلوں جو ہندوستان کے اطراف میں پایا جاتا ہے، جس کا میوہ کھا کر آدمی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ میں نے سالہا سال ڈھونڈا مگر اس کا نام ونشان نہ ملا،

سوائے اس کے کہ میرا مذاق اڑایا گیا اور مجھے پاگل سمجھا گیا۔

شیخ یہ گفتگو سن کر ہنسا اور اس سے کہا اے دوست! یہ درخت صرف علم کی نعمت ہے۔علم سے انسان دائمی زندگی پاتا ہے اور بے علم آدمی مردے کی طرح ہوتا ہے۔

لیکن یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ علم سے مراد صرف وہی علم ہے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ تک پہنچادے اور جس علم کے ذریعہ معاش اور ملازمتیں ملتی ہیں، وہ علوم صنعت وحرفت کہلاتے ہیں۔ علم اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے صرف علمِ دین ہے۔جس کے ذریعہ بندہ اپنے مالک کو راضی کر کے دونوں جہان کی باعزت حیات حاصل کرتا ہے اور جس کے بغیر آدمی زندہ رہتے ہوئے بھی مردہ ہوتا ہے۔اسی مفہوم کے پیشِ نظر علم کو آبِ حیات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ بغیر علم کے خدا کی پہچان ناممکن ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

- ...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جو شخص بھی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنا چاہتا ہو وہ علم دین حاصل کرے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل ہوتی ہے۔

ایک مسافر کی صحرا میں مجنوں سے ملاقات

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مجنوں دریا کے کنارے صحرا میں بیٹھا انگلیوں سے ریت پر بار بار لیلیٰ لکھ رہا تھا۔ایک صحرا کے مسافر نے یہ تماشا دیکھ کر دریافت کیا:

”ارے مجنوں! یہ کیا کام کر رہے ہو؟ یہ خط کس کے لیے لکھ رہے ہو؟“

مجنوں نے کہا کہ لیلیٰ کی جدائی کا غم جب ستاتا ہے تو اس کا نام بار بار لکھنا شروع کردیتا ہوں اور اس محبوب کے نام کی مشق کر کے جدائی کے صدمے سے دو چار دل کو تسلی دیتا ہوں۔

اس واقعہ سے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اے لوگو! لیلیٰ کا عشق مجازی تو یہ اثر دکھائے تو مولیٰ کا عشقِ حقیقی کیسے لیلیٰ کے عشق سے کم ہو سکتا ہے؟ مولیٰ کے لیے گیند بن جانا زیادہ بہتر ہے، جس طرح گیند کو ہر شخص ٹھوکر لگاتا ہے اور وہ برداشت کرتی ہے اسی طرح عشق کی راہ میں اپنے کو مٹانا پڑتا ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب دنیا کی فانی اور ناجائز محبتوں کا حال یہ ہے کہ جدائی کی صورت میں محبوب کا نام لکھ لکھ کر تسلی حاصل کی جارہی ہے۔ اگر کوئی خوش نصیب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عشقِ حقیقی حاصل کرلے تو وہ محبوبِ حقیقی کی یاد کے بغیر کیسے رہ سکتا ہے۔

یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ دنیا کی فانی محبتیں آدمی کا سکھ چین اور سکون برباد کر کے رکھ دیتی ہیں اور آخرت کے عذاب کا الگ اندیشہ ہے۔

مگر اصلی محبت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت دل کو راحت اور اطمینان بخشتی ہے اور ایسے شخص کی تو دنیا بھی جنت بن جاتی ہے اور دنیاوی دکھوں اور تکلیفوں کا احساس بھی کم ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برگزیدہ ہونے کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ! ہم نے تم کو اپنا برگزیدہ اور پیارا بندہ بنالیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب وہ کیا خصلت ہے جس سے آپ بندوں کو اپنا برگزیدہ اور پیارا بناتے ہیں تا کہ میں اس خصلت میں ترقی کروں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنے بندہ کی یہ ادا بہت پسند آتی ہے کہ جب وہ میرے ساتھ اُس چھوٹے بچے کی طرح معاملہ کرتا ہے، جو اپنی ماں کے عتاب اور غصے پر بجائے بھاگنے کے ماں ہی سے لپٹ جاتا ہے۔

اور جب ماں اپنے چھوٹے بچے کو طمانچہ مارتی ہے تو وہ ماں ہی کی طرف بھاگ کر اسی پر گر کر اسے مضبوط پکڑ کر چلاتا ہے۔

اور چھوٹا بچہ ماں کے علاوہ کسی سے مدد نہیں چاہتا حتیٰ کہ باپ کی طرف بھی توجہ نہیں کرتا اور اپنی ماں ہی کو تمام خیر اور شر کا مرکز اور سرچشمہ سمجھتا ہے۔

اے موسیٰ! (علیہ السلام) چوں کہ آپ کا خیال اور آپ کا تعلق بھی ہمارے ساتھ خیر و شر میں اسی طرح ہے کہ ہمارے علاوہ کسی دوسری جگہ آپ کی توجہ نہیں جاتی، اس لیے ہم نے انعام کے طور پر آپ کو اپنا پیارا بنالیا ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقامِ توحید بیان فرما کر مولانا رومؒ نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق اور اعتقاد

ایسی سطح پر لانے کی دعا اور سعی و تدبیر کریں جیسے ایک چھوٹا بچہ ماں پر جس قدر اعتماد کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہم کو جس حال میں رکھے، تکلیف یا آرام، صحت یا بیماری، تنگدستی یا فراخی، خوشی اور غمی، شیریں اور تلخ، طبیعت کے موافق اور طبیعت کے خلاف، ہر قسم کے حالات میں ہم حق تعالیٰ ہی سے رجوع کریں، انہیں کی طرف بھاگیں، انہیں کی چوکھٹ پر پیشانی رکھیں اور گریہ وزاری اور آہ و فغاں کر کے انہیں سے عافیت مانگیں اور اپنے گناہوں سے استغفار کریں اور حق تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی اپنا چارہ گر اور جائے پناہ نہ سمجھیں اور اس کے باوجود بھی وہ جس حال میں رکھیں راضی رہیں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ کہیں۔ لہٰذا جس شخص کی ایسی طبیعت بن جائے وہ اللہ تعالیٰ کے خاص مقرب بندوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو دعوتِ اسلام پیش کرنا

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ تو میری ایک بات مان لے اور اس کے عوض میری دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی چار نعمتیں لے لے۔

اس پیشکش پر فرعون نے کہا کہ وہ ایک بات کیا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو علی الاعلان اس بات کا اقرار کر لے کہ اللہ کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ وہ بلندی پر افلاک، ستاروں اور پستی میں انسانوں، شیاطین، جنات، اور جانوروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ نیز پہاڑوں، دریاؤں، جنگلوں اور بیابانوں کا بھی خالق ہے، اس کی سلطنت غیر محدود ہے، وہ بے نظیر و

بے مثل ہے، وہ ہر شخص و ہر مکان کا نگہبان ہے اور عالم میں ہر جاندار کو رزق دینے والا ہے، آسمانوں اور زمینوں کا محافظ ہے، نباتات میں پھول پیدا کرنے والا ہے، اور بندوں کے دلوں کی باتوں پر مطلع ہے۔ سرکشوں پر حاکم اور ان کی سرکوبی کرنے والا ہے، وہ شاہوں کا شہنشاہ ہے، حکم اسی کا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی اس کی مزاحمت نہیں کرسکتا۔

یہ سب سن کر فرعون نے کہا کہ اچھا! اس کے عوض میں وہ چار چیزیں کیا ہیں جو آپ ہم کو دیں گے تاکہ شاید ان عمدہ عمدہ وعدوں کے سبب میرے کفر کا شکنجہ ڈھیلا ہوجائے اور میرے اسلام سے سینکڑوں کے کفر کا قفل ٹوٹ جائے اور وہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوجائیں اور آپ کی ان باتوں سے میری بنجر زمین میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا سبزہ پیدا ہوجائے۔ اے موسیٰ علیہ السلام! جلد اپنے وعدوں کو بیان کرو، ممکن ہے کہ میری ہدایت کا دروازہ کھل جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکمِ الٰہی سے فرعون کو چار چیزوں کا انعام سنانا شروع کیا اور فرمایا کہ اگر تو اسلام قبول کرلے تو پہلی نعمت تجھے یہ ملے گی کہ تو ہمیشہ تندرست رہے گا، کبھی بیمار نہ ہوگا اور تو موت کو خود طلب کرے گا، یعنی اپنے جسم میں اللہ کے ساتھ تعلق کا ایسا خزانہ دیکھے گا جس کے ملنے کی امید میں تو اپنی تمام بری خواہشوں کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کرنے کے لیے مجاہدات میں جان تک دینے کو تیار ہوگا۔

جس طرح کسی کے گھر میں خزانہ دفن ہو تو اس مدفون خزانے کی خاطر خوشی خوشی اپنے گھر کی ویرانی کو تیار ہوجاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے عاشقین اپنی خواہشات کے گھر کو اللہ کی رضا اور اس کے ساتھ تعلق کی دولت حاصل کرنے کے لیے خوشی خوشی ڈھا دینے کو تیار ہوجاتے ہیں مگر پھر جو دولت ملتی ہے وہ ساتوں

براعظم کی بادشاہت سے بہتر ہے۔ واقعی خواہشات کے بادل کو پھاڑنے کے بعد ہی حقیقی چاند کا روشن چہرہ دیکھنے والوں کو مست کرتا ہے۔

اے فرعون! دوسری نعمت یہ ملے گی کہ تم اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ موصوف ہو جاؤ گے۔ جس طرح ایک کیڑے کو ہرا پتہ اپنے اندر مشغول کر کے انگور سے محروم کرتا ہے اسی طرح یہ دنیائے حقیر تجھے اپنے اندر مشغول کر کے مولائے حقیقی سے محروم کیے ہوئے ہے۔ آدمی کیڑے کی طرح اپنے جسم کو لذتیں پہنچانے میں مصروف ہوتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہو جاتا ہے تو وہ متنبہ ہو کر ان کو چھوڑ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے رگ و ریشے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر سما جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ مزین ہو جاتا ہے۔

تیسری نعمت تجھے یہ ملے گی کہ ابھی تو ایک ملک تجھے عطا ہوا ہے اور اسلام کے بعد تجھے دو ملک عطا ہوں گے۔ یہ ملک تو تجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغاوت کرنے کی حالت میں عطا ہوا ہے تو پھر اطاعت کی حالت میں کیا کچھ عطا ہوگا!! جس کے فضل نے تجھے تیرے ظلم کی حالت میں اس قدر دیا ہے تو اس کی عنایت وفا کی حالت میں کس درجہ ہوگی!!

اور چوتھی نعمت یہ ملے گی کہ تو جوان رہے گا اور تیرے بال ہمیشہ کالے رہیں گے اور یہ نعمتیں یعنی جوانی اور بالوں کا ہمیشہ کالا رہنا وغیرہ ہمارے نزدیک بہت حقیر نعمتیں ہیں مگر چونکہ میرا واسطہ ایک نادان بچے سے پڑا ہے اور بچوں کو یہی وعدہ پسند آتا ہے کہ اگر تو مکتب جائے گا تو تجھے اخروٹ دوں گا حالانکہ علم کی نعمت کے سامنے ایک اخروٹ کی کیا حیثیت ہے۔

ان وعدوں کو سن کر فرعون کا دل کچھ کچھ اسلام کی طرف مائل ہوا اور اس نے کہا اچھا میں اپنی اہلیہ سے مشورہ کر لوں۔ اس کے بعد وہ گھر گیا اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا

سے مشورہ کیا۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے جو مشورہ دیا وہ عجیب وغریب ہے اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کس پیارے انداز سے اسے اگلے واقعہ میں بیان فرمایا ہے۔

فرعون کا اپنی اہلیہ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا سے اپنے اسلام کے لیے مشورہ کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کے بعد فرعون گھر گیا اور اپنی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا سے یہ سارا ماجرا بیان کیا۔

حضرت آسیہ رضی رضی اللہ عنہا نے سارا واقعہ سن کر کہا: ارے اس وعدے پر اپنی جان قربان کردے کیونکہ کھیتی تیار ہے اور نہایت مفید ہے، اب تک جو وقت گزرا ہے، سب بے فائدہ گزرا ہے۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا اور زاروقطار رونے لگیں اور ان کو ایک جوش آ گیا اور کہا: تجھے مبارک ہو! سورج تیرا تاج ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیری برائیوں کی پردہ پوشی کی اور تجھے دولتِ باطنی دینا چاہتے ہیں، گنجے کا عیب تو معمولی ٹوپی چھپا سکتی ہے مگر تیرے عیوب کو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تاج چھپانا چاہتا ہے۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ اے فرعون! تو مشورہ نہ کرتا۔ تجھے تو اسی مجلس میں فوراً اس دعوت کو خوشی خوشی قبول کرلینا چاہیے تھا۔ یہ بات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیش کی ہے یہ ایسی ویسی بات تو نہ تھی، جس میں تو مشورہ کرتا پھرتا ہے، یہ تو ایسی بات تھی کہ سورج جیسے اونچے

رتبے کی مخلوق کے کان میں جا پڑتی تو وہ سر کے بل اس کو قبول کرنے کے لیے آسمان سے زمین پر آجاتا۔ تجھے معلوم ہے کہ یہ کیا وعدہ ہے اور کیا عطا ہے!!

اے فرعون! اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت تجھ پر ایسی ہے، جیسے ابلیس پر رحمت ہونے لگے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا معمولی کرم نہیں ہے کہ تجھ جیسے سرکش اور ظالم کو یاد فرما رہے ہیں۔ ارے! مجھے تو یہ تعجب ہے کہ اس کرم کو دیکھ کر خوشی سے تیرا پتہ کیوں نہیں پھٹ گیا اور وہ برقرار کیسے رہا۔ اگر تیرا پتہ خوشی سے پھٹ جاتا تو دونوں جہاں سے تجھے حصہ مل جاتا۔ دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں نجات عطا ہوتی۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی ساری تقریر سن کر فرعون نے کہا: اچھا! ہم اپنے وزیر ہامان سے بھی مشورہ لے لیں۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا کہ اس سے یہ واقعہ ہرگز بیان نہ کرو کہ وہ اس کا اہل نہیں، بھلا اندھی بڑھیا بازِ شاہی کی قدر کیا جانے۔ (اندھی بڑھیا اور شاہی باز کا واقعہ پیچھے گزر چکا ہے) لیکن فرعون نہ مانا اور ہامان سے مشورہ لیا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نااہل کے مشیر بھی نااہل ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے اور ابوجہل کا مشیر ابولہب تھا۔ ہر شخص اپنے ہم جنس سے مشورہ لینا پسند کرتا ہے۔

الغرض! فرعون نے حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی بات نہ مانی اور سارا واقعہ اپنے وزیر ہامان کے سامنے بیان کر ڈالا۔ فرعون کی باتیں ہامان نے جب سنیں تو بہت اچھلا کودا اور غم سے اپنا گریبان چاک کر ڈالا، اور شور مچانا اور رونا دھونا شروع کر دیا، اور ٹوپی و عمامہ کو زمین پر پٹخ دیا اور واویلا کرتے ہوئے کہنے لگا: ہائے! حضور کی شان میں موسیٰ علیہ السلام نے ایسی گستاخی کی۔ آپ کی شان تو یہ ہے کہ تمام کائنات آپ کی

فرماں بردار ہے۔ مشرق سے مغرب تک سب آپ کے پاس ٹیکس / نذرانے لاتے ہیں اور بادشاہ آپ کے آستانے کی خاک بخوشی چومتے ہیں۔ انہوں نے آپ کی سخت توہین کی۔ آپ تو خود پوری دنیا کے لیے مسجود اور معبود بنے ہیں، اور آپ ان کی بات مان کر ایک ادنیٰ غلام بننا چاہتے ہیں۔ آپ خدا ہو کر اپنے ہی بندے کا بندہ بننے کے لیے مشورہ کرتے ہیں، میرے نزدیک تو ہزاروں آگ میں جلنا اس توہین سے بہتر ہے۔ اگر آپ کو اسلام کی دعوت قبول ہی کرنا ہے، تو ہمیں پہلے مار ڈالیے تاکہ میں حضور کی یہ توہین اپنی آنکھ سے نہ دیکھوں۔ آپ میری گردن فوراً ماردیں کہ میں اس منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا کہ آسمان زمین بن جائے اور خدا بندہ بن جائے یعنی ہمارے غلام ہمارے آقا بن جائیں اور ہم ان کے غلام بن جائیں۔

یہ تکبر جو ہامان میں تھا، زہر قاتل کی طرح تھا اور اسی زہر آلود شراب سے ہامان بدمست ہو کر احمق ہو گیا تھا، اور اس ملعون کے مشورہ سے فرعون نے قبولِ حق سے انکار کر کے خود کو دائمی رسوائی اور عذاب کے حوالہ کر دیا۔

جب فرعون ہامان کے بہکانے میں آگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: ہم نے تو بہت سخاوت اور عنایت کی تھی، مگر تیری قسمت ہی میں ہدایت نہ تھی ہم کیا کریں۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں کئی سبق حاصل ہوتے ہیں:

- ...... کبھی بھی خیر اور نیکی کے کام میں تاخیر نہ کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان روڑے اٹکا کر خیر کے اس کام سے محروم کر دے۔
- ...... آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنا مشیر اور دوست کسی مخلص اور نیک آدمی کو بنائے،

تاکہ خیر کے امور میں اس کے ساتھ تعاون کرے۔

برے دوست اور غلط مشیر سے بچے کیونکہ ایسے لوگ خود بھی ڈوبتے ہیں اور اپنے ساتھ والوں کو بھی لے ڈوبتے ہیں۔

❖ ...... تکبر ایسی بیماری ہے کہ یہ آدمی کو ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی کے راستے سے ہٹا کر تباہی اور بربادی کی وادیوں میں دھکیل دیتی ہے جیسے کہ ہامان اور فرعون اپنے تکبر کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دنیا و آخرت میں رسوا ہوئے۔

مجنوں اور اس کی اونٹنی کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مجنوں اونٹنی پر سوار ہو کر لیلیٰ کی طرف جا رہا تھا، لیکن جب لیلیٰ کے خیال میں ڈوب کر بے خودی کی حالت ہو جاتی، تو مجنوں کے ہاتھ سے لگام کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی، تو اونٹنی لیلیٰ کی طرف چلنے کے بجائے فوراً اپنا رخ مجنوں کے گھر کی طرف کرتی، کیونکہ اس کے گھر پر اس اونٹنی کا بچہ تھا، جس کی محبت اس کو بے چین کیے ہوئے تھی۔

جب مجنوں کو عالم بے خودی سے افاقہ ہوتا تو یہ منظر دیکھ کر سخت حیران و پریشان ہوتا کہ جہاں سے چلا تھا پھر وہاں ہی آپہنچا! اور دوبارہ اونٹنی کو لیلیٰ کے گھر کی طرف چلنے پر مجبور کرتا۔ اس طرح متعدد بار راستے میں یہی ہوا کہ تھوڑی دیر میں لیلیٰ کا خیال اس پر غالب آتا اور بے خودی طاری ہو جاتی اور پھر اونٹنی کافی پیچھے بھاگ آتی۔ بالآخر مجنوں کو غصہ آگیا اور اس نے کہا کہ میری لیلیٰ تو آگے ہے اور اس اونٹنی کی لیلیٰ پیچھے ہے۔ یعنی اس کے بچے کی یاد اسے پیچھے بھاگنے پر مجبور کرتی ہے اس لیے

یہ راستہ عشق کا طے نہیں ہوسکتا اور میں محبوب کی منزل تک تمام عمر نہ پہنچ سکوں گا لہٰذا جوش میں اوپر ہی سے کود پڑا اور اس کی ایک ٹانگ بھی ٹوٹ گئی۔

مجنوں نے پاؤں باندھ کر کہا کہ اب میں گیند بن جاتا ہوں اور لیلیٰ کے عشق کی ہا کی سے لڑکھڑا کر چلوں گا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اب نصیحت اور نتیجہ بیان فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے ہم کو یہ سبق لینا چاہیے کہ لیلیٰ کی صورت میں ایک سڑنے والی لاش کی محبت میں تو مجنوں کو اس قدر ہمت اور عقل ہو اور ہم مولیٰ کے عاشقین کہلانے والوں کے لیے تو گیند بن جانا زیادہ اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کیسے کم ہوسکتا ہے۔

اس وقت ہماری غفلت اور آخرت سے لاپروائی کا بڑا سبب یہی ہے کہ ہماری روح اور عقل تو خدا کی طرف چلنا چاہتی ہے لیکن ہمارا نفس دنیا کی حرص و محبت میں مجنوں ہو کر دنیا کی طرف بھاگتا ہے۔ نفس سے ہر وقت یہی جنگ ہے۔ آخرت اور دنیا، دو لیلیٰ سے ہمارا واسطہ پڑا ہے بس جو لیلیٰ باقی اور ہمیشہ رہنے والی ہے اس کو لے لو اور جو لیلیٰ فانی ہے اس کو چھوڑ دو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا ترک کر دو اور جنگل بھاگ جاؤ۔ یہ تو جہالت ہے بس آخرت کو دنیا پر غالب کر لو۔ یہی کافی ہے لیکن اس کی ہمت کسی اللہ والے کی محبت اور اس کی غلامی ہی سے عطا ہوتی ہے۔

دن میں چراغ لے کر پھرنے والے شخص کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص دن کی روشنی میں چراغ لے کر بازار کے اطراف و جوانب میں پھر رہا تھا۔

کسی شخص نے اسے اس حرکت پر ٹوکتے ہوئے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ دن کی روشنی میں چراغ کی ضرورت پیش آ رہی ہے؟

اس نے کہا کہ میں ہر طرف آدمی ڈھونڈتا ہوں مجھے کوئی آدمی نہیں ملتا۔

اس نے جواب دیا کہ آدمیوں سے تو یہ بازار بھرا پڑا ہے اور تو کہتا ہے کہ مجھے کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا ہے۔

اس نے سائل کا وضاحت سے جواب دیتے ہوئے کہا کہ بازار میں کوئی مرد نہیں ہے صرف صورت مرد کی سی ہے، یہ سب روٹی اور خواہشاتِ نفسانیہ کے مارے ہوئے ہیں۔

اس نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس بازار میں تو جن انسانوں کو دیکھتا ہے یہ سب انسانی صفات اور آدمیت کے خلاف ہیں، یہ آدمی نہیں ہیں، صرف آدمیت کے غلاف میں نظر آ رہے ہیں۔

آدمی بننے کے لیے صفاتِ آدمی ضروری ہیں، پھر اس نے مثال دیتے ہوئے سمجھایا۔ دیکھو! اگر عود جو ایک خوشبودار لکڑی ہے اس میں عود کی خوشبو نہ ہو تو پھر اس میں اور عام ایندھن کی لکڑیوں میں کیا فرق ہے؟ ایسے بغیر خوشبو والے عود کو بھی ایندھن ہی کہنا چاہیے۔

اب اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے اس نے کہا کہ آدمیت اور انسانیت

گوشت اور چربی اور پوست (کھال) کا نام نہیں ہے۔ آدمیت ان صفات اور اخلاق و اعمال کا نام ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

اگر آدمیت صرف انسانی صورت کا نام ہو تو محمد ﷺ اور ابوجہل یکساں ہوتے، حالاں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖...... اگر اس معیار و نظریے پر ہر شخص اپنی انسانیت اور آدمیت کا جائزہ لے تو روئے زمین پر صرف اللہ والے ہی آدمی نظر آئیں گے۔ باقی تمام دنیائے انسانیت جو صرف کھانے میں اور ان چیزوں تک پہنچانے والے اسباب کی ترقی میں مشغول ہے اور ''زیستن برائے خوردن'' یعنی ''جینا کھانے کے لیے'' ان کا مقصد اور مبلغِ علم ہے۔

ان لوگوں کی بلند مقامی کی تشریح کے لیے سب سے موزوں مثال یہی سمجھ میں آتی ہے کہ جس طرح آٹے کی ایک مشین ہے جس کے ایک سرے میں گندم ڈالتے ہیں اور دوسرے سرے سے آٹا نکالتے ہیں اور اس کا نام آٹے کی مشین رکھتے ہیں، اسی طرح زندگی کو محض کھانا سمجھنے والے ایک مشین ہیں جن کے ایک سرے میں روٹی ڈالی جاتی ہے اور دوسرے سرے سے پاخانہ نکلتا ہے تو یہ پاخانہ بنانے کی مشین ہوئے یعنی اپنی زندگی کو صرف کھانے اور ہگنے کے لیے سمجھنا گویا اپنے آپ کو پاخانہ بنانے کی مشین قرار دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس احمقانہ نظریے سے محفوظ فرمائے۔ آمین

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ان مضامین سے کہ آدمیت نام گوشت چربی اور انسانی کھال کا نہیں بلکہ رضاءِ الٰہی کا نام ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا جس کو حاصل ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا والے اعمال اور اخلاق سے آراستہ ہو اور مولیٰ کی

ناراضگی کے اعمال سے حفاظت وتقویٰ حاصل ہو، ایسا آدمی بے شک آدم والا ہے یعنی نسبت کا مفہوم اس میں موجود ہے اور آدم علیہ السلام کی خاص صفت رَبَّنَا ظَلَمْنَا تھی، یعنی اپنے قصور پر آپ بہت عرصے تک روتے رہے۔

چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی خاص اولاد ہیں وہ اپنے باپ کے طریقے پر اپنے رب سے اپنی خطاؤں پر رَبَّنَا ظَلَمْنَا کی آواز بلند کرتے ہیں یعنی گڑگڑا کر معافی مانگتے ہیں۔

مولانا کے اس نظریے کے مطابق بڑے بڑے بنگلے اور کاروں والوں کا اپنے متعلق بڑے آدمی یا چھوٹے آدمی کا فیصلہ کرنا تو بڑی بات ہے اپنے بارے میں آدمی ہونا بھی مشکل نظر آئے گا۔ چنانچہ بڑا آدمی وہی ہے جس نے مولیٰ کو راضی کر رکھا ہے۔ میدانِ محشر میں کسی کی جوتوں سے خبر لی جا رہی ہو اور وہاں کوئی کہے کہ یہ بڑے آدمی ہیں ان کے پاس دو ہزار گز کا بنگلہ اور تین کاریں اور تین فیکٹریاں تھیں تو ایسے بڑے آدمی بننے سے کیا فائدہ کہ جو پردیس (دنیا) کا رئیس ہو اور وطن آخرت اور وطنِ اصلی کا مفلس اور غریب ہو۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اے لوگو! تم جانتے ہو کہ بڑے آدمی کون ہیں پھر فرمایا کہ بڑے آدمی اَصْحَابُ اللَّيْلِ اور حَمَلَةُ الْقُرْاٰن ہیں یعنی راتوں کو اٹھنے والے تہجد گزار اور وہ لوگ کہ قرآن جن کی عملی زندگی بن چکا ہو محض زبان پر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح آدمیت اور انسانیت کا مصداق بنا دیں۔ آمین۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت کا صحیح مفہوم اور اس کی صحیح روح ہمارے گوشت اور پوست میں داخل فرما دیں۔ آمین۔

ایک باندی کے عشق میں گرفتار بادشاہ کا واقعہ

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ شکار کرنے نکلا۔ راستے میں ایک لونڈی کے حسن پر فریفتہ ہوگیا اور اسے خرید کر شاہی محل میں واپس آ گیا۔ شکار کرنے گیا تھا مگر خود لونڈی کا شکار ہو گیا۔

یہ لونڈی پہلے ہی سمرقند کے ایک سنار (صراف) کے لڑکے پر عاشق تھی۔ بادشاہ کے یہاں آ کر اس کی جدائی سے گھلنے لگی اور عشق کی بیماری سے اتنی دبلی اور کمزور ہو گئی کہ ہڈیوں پر صرف کھال باقی رہ گئی۔

بادشاہ کو اس کی یہ حالت دیکھ کر بہت غم ہوا، چنانچہ اس نے ڈاکٹروں / حکیموں کو جمع کیا۔ علاج کے لیے شاہی انعام و اکرام کا وعدہ کیا اور ڈاکٹروں / حکیموں سے کہا کہ: میری زندگی بچاؤ کہ اگر یہ مر گئی تو سمجھ لو کہ میں بھی مر گیا۔

ڈاکٹروں / حکیموں نے ان شاء اللہ کہے بغیر دعویٰ کیا کہ ہم بہت جلد اس بیمار لونڈی کو اچھا کر دیں گے چنانچہ اس کی لاغری کو دور کرنے کے لیے علاج معالجہ شروع ہوا مگر...... مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ...... اور ان کی ہر دوا الٹا اثر کرنے لگی۔

اس لیے کہ جب بیمار کے لیے اللہ کا فیصلہ / حکم آتا ہے تو طبیب بھی بے وقوف ہو جاتا ہے اور اس کی دوا بھی اپنے نفع میں الٹا راستہ اختیار کرتی ہے۔ چنانچہ بجائے شفا کے الٹا نقصان پہنچاتی ہے۔

باندی کو بطورِ علاج سکنجبین دیا گیا، تو اس سے صفرا اور بڑھ رہا تھا اور روغنِ بادام بجائے فائدے کے الٹا خشکی میں اور اضافہ کر رہا تھا یعنی ہر دوا مخالف ہو رہی تھی۔ علاج

کا ہر طریقہ ناکارہ ثابت ہو رہا تھا۔

بالآخر ڈاکٹروں / حکیموں کی رسوائی ہوئی اور وہ جو کچھ دعوے کر رہے تھے ان کی عقل اور تکبر کا دعویٰ ٹھکانے لگ گیا، اور اپنی عاجزی اور مایوسی کا اظہار کر کے دربار سے رخصت ہو گئے۔

بادشاہ نے جب ڈاکٹروں / حکیموں کی عاجزی اور مایوسی دیکھ لی تو ننگے پاؤں مسجد کی طرف دوڑا۔

مسجد پہنچ کر محراب کی طرف دوڑا، اور سجدہ میں گر کر اس قدر رویا کہ سجدہ گاہ بادشاہ کے آنسوؤں سے بھیگ گئی اور اس نے روتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کیا:

اے اللہ! یہ ساری کائنات تیری ادنیٰ بخششیں ہیں اور میں کیا عرض کروں جبکہ آپ ہمارے رازوں اور چھپی ہوئی باتوں سے باخبر ہیں۔

اے وہ ذات پاک جو ہمیشہ ہماری حاجتوں کی پناہ گاہ ہے، ہم پھر سیدھے راستے سے بھٹک گئے اور آپ پر توکل نہ کیا اور علاج معالجے میں ان شاء اللہ بھی نہ کہا۔

جب اس بادشاہ نے تہہ دل سے دعا و فریاد کی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سمندر جوش میں آ گیا اور روتے روتے بادشاہ پر نیند طاری ہو گئی چنانچہ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں کہ اے شخص! نا امید نہ ہو، میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس باندی کا علاج کر دوں گا۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی بادشاہ نے اپنے دل کو مطمئن اور مسرور پایا اور ان بزرگ کا منتظر تھا کہ اچانک وہ تشریف لائے، بادشاہ آگے بڑھا اور دوڑ کر ان بزرگ کا بہت احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ اس کے بعد اس شیخ کامل نے اس لونڈی کا (urine) دیکھا اور نبض دیکھی۔ نبض پر ہاتھ رکھ کر

ہر شہر کا نام لینا شروع کیا۔ جب سمرقند کا نام لیا تو اس کی نبض کی حرکت تیز ہو گئی۔ شیخ نے سمجھ لیا کہ سمرقند میں یہ کسی کی محبت میں مبتلا ہو کر بیمار ہے۔ بیماری کچھ تھی اور علاج کچھ ہو رہا تھا۔

پھر شیخ کامل نے کسی طرح اس لونڈی سے راز معلوم کر لیا کہ وہ سمرقند کے ایک سنار پر عاشق ہے۔ شیخ نے بادشاہ کو حکم دیا کہ وہ اس کو حاضر کرے۔ چنانچہ اسے دنیاوی دولت کی لالچ پر طلب کیا گیا اور چونکہ شیخِ کامل، ماہر ڈاکٹر بھی تھے، انہوں نے اس شخص کو ایسی دوائیں دیں جس سے اس شخص کا حسن جاتا رہا اور اس لونڈی کے سامنے پھر اس کو پیش کیا چونکہ اس کی صورت کافی بری اور ناپسندیدہ ہو چکی تھی اسے دیکھتے ہی لونڈی کا عشق جاتا رہا اور وہ اس کے عشق کی بیماری سے شفا پا گئی اور تندرست ہونے لگی اور کچھ ہی دن میں بالکل صحت یاب ہو گئی۔

چونکہ اس لونڈی کی بیماری محض صورت پرستی تھی اس لیے صورت کے بگڑنے سے آہستہ آہستہ عشق بھی زائل ہو گیا اور شفا پا گئی۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ جو عشق صرف رنگ و روپ کی خاطر ہوتا ہے وہ دراصل عشق نہیں ہے بلکہ فسق (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی) ہے اور اس کا انجام شرمندگی اور رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

کیونکہ مرنے والوں کا عشق پائیدار نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ محبوب جب فانی ہے اور اس نے مر جانا ہے تو فانی چیز کا عشق بھی فانی ہوتا ہے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ جو ہمیشہ زندہ ہیں اور فنا سے پاک ہیں ان کی ذات کے ساتھ عشق بھی ہمیشہ رہنے والا اور ہمیشہ غنچے اور پھول سے بھی زیادہ تر و تازہ رہتا ہے۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اب مولانا رومؒ اس واقعہ کے بعد کھل کر نصیحت فرماتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ کے طالب! اس زندہ (محبوب حقیقی) کا عشق اختیار کر کہ جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور جو محبت و معرفت کی روح افزا پاک شراب پلانے والا ہے۔

اور تو مایوسی سے یہ بات مت کہہ کہ اس محبوبِ حقیقی تک مجھ جیسے نالائقوں کی کیسے رسائی ہوسکتی ہے!! کیونکہ وہ بڑے کریم ہیں اور کریم کے نزدیک ایسے کام دشوار نہیں ہوتے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو بندہ میری طرف ایک بالشت کی مقدار قریب آتا ہے، میں اس کی طرف گز کی مقدار قریب ہوجاتا ہوں۔

الغرض! اس کے عشق و محبت کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ جو چاہے داخل ہو اور اس کا تقرب حاصل کرے۔

مرشدنا و مولانا عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ قصہ ہم سب لوگوں کے حال کے عین مطابق ہے چنانچہ ہماری روح کو نفس پر بادشاہ بنایا گیا ہے تاکہ روح نفس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مطابق کام لے کر جنت کا انعام حاصل کرے، مگر نفس جو روح کی لونڈی ہے۔ وہ دنیوی لذتوں پر عاشق ہے جس کے سبب روح کی اطاعت سے منہ موڑتی ہے اور عموماً اس ماحول اور اس معاشرے کے اطباء ناقص ہیں جو اس کے علاج پر قادر نہیں، پس شیخِ کامل کی ضرورت ہے جو حسنِ تدبیر سے دنیوی لذتوں کو نفس کی نظر میں بدصورت کردے، پھر نفس کے لیے روح کی تابعداری یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں پر چلنا آسان ہوجائے گا۔''

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک عورت کے رونے کا واقعہ

ایک عورت کے بچے زندہ نہ رہتے تھے، چھ ماہ بعد ان کو کسی بیماری کے سبب موت آجاتی۔اس طرح سے اس بے چاری ماں کے بیس بچے قبرستان پہنچ گئے۔

اس کے بیس بچے قبر میں یکے بعد دیگرے چلے جانے سے اس کے غم کی آگ اس کی جان میں بھڑک اٹھی۔ چنانچہ غم کی ماری ہوئی آدھی رات کو اٹھی اور اپنے رب کے سامنے سجدہ میں خوب روئی اور اپنا غم اور اپنے جگر کا خون آنسوؤں کی صورت میں دعاؤں میں پیش کیا اس کے بعد سوگئی۔

خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں سیر کر رہی ہے اور اس نے وہاں ایک عالی شان محل دیکھا جس پر اس کا نام لکھا تھا اور جنت کے باغات وتجلیات سے یہ عورت خوش اور بے خود ہوگئی۔

اس کے بعد فرشتوں نے اس سے کہا کہ اے عورت! یہ نعمت بڑی بڑی عبادتوں اور محنتوں سے ملتی ہے لیکن تو سست تھی اور عبادات سے اس مقام کو نہ پاسکتی تھی۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ مصیبت دے دی ہے جس پر صبر کے عوض تجھے یہ جنت اور محل دیا ہے پھر اس عورت نے خواب میں وہاں اپنے بچوں کو دیکھا۔

اس عورت نے کہا: اے اللہ! یہ بچے میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تھے مگر تیری نگاہ سے غائب نہ ہوئے۔ یہاں تو سب موجود ہیں۔

اس کو خواب میں اس قدر خوشی اور تسلی ہوئی کہ جوش میں آکر کہنے لگی: اے میرے رب! اگر تو مجھے دنیا میں سینکڑوں سال اسی طرح رکھے جس طرح میں اب ہوں تو کچھ بھی غم نہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ تو میرا خون بہادے تو بھی میں راضی ہوں کہ یہ

انعامات جو آپ نے عطا فرمائے ہیں، یہ تو میرے صبر سے کہیں زیادہ ہیں۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ مومن آدمی کو کبھی بھی کسی مصیبت پر اپنا دل چھوٹا نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ مومن آدمی کو پہنچنے والا کوئی غم بھی بے کار نہیں جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بڑا ثواب ملتا ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی دانائی کا واقعہ

حضرت لقمان کا آقا ان پر بڑا مہربان تھا۔ دوسرے غلام حسد کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ لقمان اپنے آقا کی نظروں سے گر جائے اور اسے کسی صورت ذلیل کیا جائے۔

آقا نے ایک روز اپنے غلاموں کو شاہی باغ میں بھیجا اور کہا کہ باغ سے پھل فروٹ توڑ کر لاؤ۔ لقمان سمیت سارے غلام شاہی باغ میں گئے اور مختلف میوے توڑ توڑ کر خود ہی کھانے لگے۔ لقمان نے ان کو اس حرکت سے روکا لیکن وہ اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق میوے توڑ توڑ کر کھاتے رہے۔ لقمان بڑا پریشان ہوا مگر کچھ کر نہ سکا۔ پھر وہ غلام سب مل کر آقا کے پاس گئے اور کہنے لگے جناب! آپ کا چہیتا لقمان تو بڑا پیٹو اور بے ایمان ہے آپ کے حکم کے مطابق ہم باغ میں پہنچے تو اس ظالم لقمان نے سارے پھل توڑ توڑ کر خود ہی کھانے شروع کر دیے۔ اتنا پیٹو ہے کہ ایک پھل بھی اُس نے باقی نہیں رہنے دیا۔

آقا کو غصہ آیا اور لقمان کو طلب کر لیا۔ لقمان آیا تو آقا نے ڈانٹا کہ تم نے

میرے باغ کو کیوں اجاڑا اور تم سارا پھل توڑ توڑ کر خود ہی کھا گئے۔ دیکھو یہ غلام تمہاری اس حرکت کی گواہی دے رہے ہیں بتاؤ کیا بات ہے؟

لقمان نے کہا حضور! ابھی پتا چل جاتا ہے کہ باغ کا سارا پھل کھا جانے والے کون ہیں۔ ایک دیگ میں پانی ڈال کر اس میں لہسن ڈالیے اور پھر آگ پر اس پانی کو ابالیے اور اس کے بعد مجھے اور ان سب غلاموں کو ایک گھنٹہ بھر دوڑائیے جب تک کہ سب آ جائیں تو اس لہسن میں ابلے ہوئے پانی کا ایک ایک گلاس ہم سب کو پلائیے۔ اس کے اثر سے سب کو قے آئے گی اور جس نے پھل کھائے ہوں گے اس کے اندر سے قے کے راستہ سب باہر آ جائیں گے۔

یہ بات سن کر سارے غلام گھبرا اٹھے لیکن بول نہیں سکتے تھے کہ ہم ایسا نہیں کریں گے چنانچہ آقا نے ایسا ہی کیا۔ دیگ میں پانی اور لہسن ڈال کر اُسے گرم کیا اور پھر ان سب غلاموں کو لقمان سمیت دوڑایا اور تھکایا۔

دوڑ تھک کر جب واپس آئے تو سب سے پہلے لقمان نے وہ گرم پانی پیا تو قے ہوگئی مگر صرف پانی ہی نکلا اور کچھ بھی نہ نکلا پھر جب دوسرے غلاموں کو وہی گرم پانی پلایا گیا تو سب کو قے ہونے لگی۔ آقا نے دیکھا کہ کوئی کیلا قے کر رہا ہے اور کسی کے اندر سے آلو بخارا نکل رہا ہے، کسی کی قے میں انگور نکل رہے ہیں۔ الغرض! جو جو کچھ انہوں نے کھایا تھا وہ سب کچھ باہر آ گیا۔ اصل چور پکڑے گئے اور لقمان کی عزت میں اور اضافہ ہو گیا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... یہ حکمتِ لقمان تھی جس کی بدولت خائن و چور پکڑے گئے اور قیامت کے روز حکمتِ خالق کا بھی ظہور ہوگا جبکہ ایسے مجرموں اور خائنوں کو جہنم کا

ابلتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو پھر اس روز نظارہ یہ ہوگا کہ ایسے خائنوں کو قے ہونے لگے گی اور دنیا دیکھے گی کہ کوئی ظالم کوٹھیاں قے کر رہا ہے، کسی کے اندر سے کاریں نکل رہی ہیں، کسی کے اندر سے پرایا مال نکل رہا ہے اور کوئی فرنیچر وغالیچے قے کر رہا ہے الغرض! جو جو بھی یہاں ناجائز مال ہڑپ کیا ہوگا حکومت وقوم سے خطاب کر کے اپنا پیٹ بھرا ہوگا وہ سب کا سب حرام مال قے کے راستہ نکل آئے گا اور چور پکڑے جائیں گے مولانا روم فرماتے ہیں۔

حکمتِ لقمان چنیں کارے نمود

پس چہ باشد حکمت ربِّ ودود

یعنی لقمان کی تدبیر نے یہ کام کیا تو رب ودود کی حکمت کیسی ہوگی، لہٰذا عاقبت اندیشی یہ ہے کہ آج ہی اس قسم کی خیانتوں سے سچے دل سے توبہ کر کے اپنا معدہ صاف کر لیا جائے تاکہ کل قیامت کی رسوائی سے محفوظ رہا جا سکے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح ان غلاموں نے میوے تو خود کھائے تھے اور نام لقمان کا لگا دیا تھا، اسی طرح آج کل کے چالاک وعیار لوگ خیانت تو خود کرتے ہیں پرائے مال خود اڑاتے ہیں اور نام بے چارے غریب اور نیک لوگوں کا لگا دیتے ہیں اور حلال و حرام کی بھی تمیز نہیں کرتے۔

ہاتھی کے بچہ کے قتل کا واقعہ

ہندوستان کا واقعہ ہے کہ ایک عقلمند نے اپنے دوستوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ لوگ کسی سفر میں وطن سے بہت دور جا نکلے ہیں اور بھوک سے بے چین ہیں۔ اس عقلمند نے انہیں مشورہ دیا کہ دیکھو تمہارے سامنے ہاتھی کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ان کا شکار ہرگز مت کرنا کہ ہاتھی کہیں گیا ہوا ہے وہ واپس آ کر تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا، میری نصیحت کو غور سے سن لو، لیکن بھوک کے سبب ان سے صبر نہ ہوا اور انہوں نے ایک بچہ ہاتھی کا پکڑا ذبح کر کے اس کے کباب بنا کر کھا لیے۔

اس عقلمند آدمی نے مایوس ہو کر کہا: کاش! تم لوگ اس جنگل کی گھاس کھا لیتے لیکن اس فعل سے احتیاط کرتے! اب اس کا انجام بھی تم لوگ دیکھ لو گے۔

اس گروہ کے صرف ایک شخص نے اس عقلمند فقیر کی نصیحت پر عمل کیا اور اپنا پیٹ ہاتھی کے بچہ کے گوشت سے محفوظ رکھا اور کچھ پتے اور گھاس کھا کر اس گروہ سے دور سو گیا۔ کیونکہ اس نے سوچا کہ ظالموں کے ساتھ رہ کر میں بھی انہیں میں شمار ہو جاؤں گا اور ہاتھی مجھے بھی نہ چھوڑے گا۔

تھوڑی دیر میں ہاتھی آیا اور اپنے بچہ کا خون دیکھا تو سمجھ گیا اور شدتِ غضب و غصے سے اس کی سونڈ سے آگ اور دھواں نکلنے لگا۔ پس وہ وہاں آیا جہاں یہ لوگ سوئے ہوئے تھے اور ایک آدمی کو دیکھا کہ الگ سویا ہوا ہے پہلے اسی دور سوئے ہوئے کا منہ سونگھا اور تین مرتبہ اس کے گرد چکر لگایا، مگر اس میں اپنے بچے کے گوشت کی بُو کو نہ پایا۔ اس کو بے گناہ سمجھ کر معاف کر دیا اور پھر وہ آگے بڑھا پھر اس گروہ کے پاس گیا اور ہر ایک کا منہ سونگھا اور اس نے ان میں اپنے بچے کے گوشت

کی بُو محسوس کی چنانچہ مارے غصے کے ہر ایک کو اپنے بچے کے قتل کی پاداش میں سونڈ سے کھینچ کر دو ٹکڑے کر کے ہواؤں میں بکھیر دیا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اب مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تم خدا کی مخلوق کی جانوں کو ہلاک کرتے ہو اور اموال کو غصب کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ بھی ان ظالموں سے خوب باخبر ہے۔

مرشدی و مولائی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو ذکر فرما کر لکھا ہے کہ میرے مرشد و شیخ حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہاتھی کو اپنی بدبختی سے چھیڑ دینا اتنا خطرناک نہیں (کیونکہ وہ اپنی تکلیف کا تحمل کر لے گا) جتنا کہ اس کے بچوں کو چھیڑنا خطرناک ہے یعنی پھر وہ کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیتا ہے پھر اس مثال سے نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی توبہ سے معاف ہو جاتی ہے مگر اللہ والوں کو ستانے والوں سے اللہ تعالیٰ انتقام لیتا ہے اور ان کو کیفر کردار تک پہنچاتا ہے جیسا کہ ایک حدیث شریف میں بھی آیا ہے:

مَنْ اٰذٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ

جس نے میرے کسی بھی دوست اور ولی کو ستایا میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے۔

حضرت سیدنا ہود علیہ السلام کی قوم پر ہوا کے عذاب کا واقعہ

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم پر جب تیز ہوا اور آندھی کا عذاب آیا تو آپ علیہ السلام نے اہلِ ایمان کے گرد ایک دائرہ کھینچ دیا۔ جب ہوا وہاں پہنچتی تو خود بخود نرم ہو جاتی جو لوگ اس خط کے باہر تھے، ہوا ان سب کے پرخچے اڑا دیتی تھی۔

اسی طرح حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ بکریوں کے ریوڑ کے گرد ایک نمایاں دائرہ کھینچ کر جمعہ کی نماز کے لیے چلے جاتے تھے، تاکہ بکریوں کو کوئی بھیڑیا اٹھا کر نہ لے جائے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح موت کی ہوا اللہ والوں پر نسیمِ چمن کی طرح نرم و خوشگوار ہو کر چلتی ہے۔

جس طرح آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوئی ضرر نہ پہنچایا کیونکہ وہ اللہ کے مقبول بندے اور رسول تھے تو انہیں تکلیف دینے کی آگ کو کیونکر ہمت ہو سکتی تھی۔

اسی طرح شہوت کی آگ اہلِ دین کو نہیں جلاتی، اور بے دین لوگوں کو دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتی ہے۔

ہمارے آقا اور ہمارے محبوب ﷺ کی جدائی میں رونے والے ستون کا واقعہ

رسول اللہ ﷺ کھجور کے ایک خشک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر مسجدِ نبوی میں خطبہ دیا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ ﷺ کے لیے باقاعدہ بڑھئی (Carpenter) سے لکڑی کا منبر تیار کروایا گیا، تو آپ ﷺ نے اس خشک تنے کو چھوڑ کر اس منبر پر خطبہ دینا شروع فرمایا تو کھجور کے تنے نے اس صدمے سے کہ اب مجھ پر اللہ کے رسول ﷺ خطبہ دینے کے لیے ٹیک نہ لگائیں گے، اس نے اس طرح رونا شروع کیا جس طرح چھوٹا بچہ ماں کی جدائی میں روتے ہوئے سسکیاں لیتا ہے۔

اس واقعہ کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کس پیارے انداز سے بیان فرماتے ہیں:

وہ ستون جس کا نام استوانہ حنانہ تھا، رسول اللہ ﷺ کی جدائی میں رورہا تھا جیسے کہ وہ کوئی عقل والا انسان ہو۔

اس کی رونے کی آواز سے اصحابِ رسول ﷺ تعجب اور حیرت میں پڑ گئے کہ یہ ستون اتنا بڑا لمبا چوڑا ہو کر کس طرح رورہا ہے!!

پیغمبر ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اے ستون تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا یارسول ﷺ! آپ کی جدائی کے صدمے سے میری جان خون ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ کی جدائی سے مری جان اندر ہی اندر جل رہی ہے، پھر اس غم کی آگ کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ کی جدائی سے میں کیوں نہ آہ و فغاں کروں، کیونکہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہی تو جانِ کائنات ہیں۔

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسند تھا، آپ مجھ سے ٹیک لگاتے تھے، آپ مجھ سے الگ ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری جگہ دوسرا منبر پسند فرمالیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے مبارک ستون! اگر تو چاہتا ہے تو تیرے لیے دعا کر دوں کہ تو سرسبز و شاداب اور ہمیشہ پھل دار درخت ہو جائے اور تیرے پھلوں سے ہر مشرق و مغرب میں رہنے والا مستفید ہو، یا تو عالمِ آخرت جنت میں رہنا چاہتا ہے اور تو ہمیشہ کے لیے تر و تازہ ہونا چاہتا ہے۔

اسطوانہ حنانہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو دائمی اور ہمیشگی کی نعمت چاہتا ہوں۔

اب مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اے غافلو! سن لو! تم کو اس لکڑی سے سبق لینا چاہیے کہ انسان ہو کر تم دنیائے فانی پر عاشق اور آخرت سے منہ موڑے ہوئے ہو اور وہ اسطوانہ حنانہ نعمت دائمی کو نعمت فانی پر ترجیح دے رہا ہے۔

پھر اس اسطوانہ حنانہ کو زمین میں دفن کر دیا گیا تاکہ انسانوں کی طرح قیامت کے دن اس کا حشر ہو۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے ہمیں کئی سبق حاصل ہوتے ہیں:

- ...... ایک بے جان لکڑی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی معرفت و پہچان حاصل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے غم میں ہچکیاں باندھ کر رو رہی ہے۔
دوسری طرف ہم عقل و شعور والے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عشق کے دعوے دار ہیں کہ بے دریغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو قربان

کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو چھوڑ کر مغربی تہذیب وتمدن کو فلاح وبہبود کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ پر مر مٹنے کو انتہا پسندی، شدت پسندی اور تاریک خیالی جبکہ آپ ﷺ کے دشمنوں کے طور واطوار کو روشن خیالی، اعتدال پسندی اور کامیابی کا ضامن سمجھتے ہیں۔ افسوس صد افسوس ہماری حالت پر! اگر اس ستون نے بروز قیامت ہمارا گریبان پکڑ لیا تو مسلمانی کے سب پول کھل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائیں۔ آمین

❖ ...... اس ستون نے دنیوی ترقی، ہمیشہ کے لیے پھل دار اور سبز وشاداب ہونے، مشرق ومغرب کے انسانوں کے لیے مرکز توجہ بننے اور قیامت تک حاصل ہونے والی شہرت پر آخرت اور جنت میں آپ ﷺ کے ساتھ کو پسند کیا۔ واقعتاً وہ لکڑی کا خشک ستون بڑا عقلمند، بڑا عاشق، بڑا عارف تھا اور ہم عقلمند، تعلیم یافتہ، دانشور پتھر اور لکڑی سے بھی گئے گذرے ہیں۔

ایک اژدھے کے شکار کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک سانپ پکڑنے والا شخص پہاڑ کی طرف گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ برف باری سے پہاڑ کے دامن میں بڑے بڑے اژدہے بے حس و حرکت پڑے تھے۔

سپیرے نے دیکھا کہ سخت سردی کے موسم میں ایک اژدہا مرا ہوا ہے۔

چنانچہ اس کو اٹھالیا اور بغداد جیسے پُر رونق شہر میں تماشے کے لیے اپنے ساتھ لے آیا۔
وہ اژدہا اپنی لمبائی اور قدوقامت کی وجہ سے ایک بڑا استون لگ رہا تھا، سانپ والا اس کو اپنی کمائی کے لیے گھسیٹ کر لایا تھا۔
اس سپیرے نے اس کو مردہ گمان کیا حالانکہ وہ زندہ تھا، مگر سردی اور برف باری کی وجہ سے بے جان ہو رہا تھا لیکن اسے اس کے زندہ ہونے کا علم نہ تھا۔
شہر کے درمیان لا کر سانپ والے نے تماشائیوں سے کہا کہ میں یہ مردہ اژدہا لایا ہوں، اس کے شکار میں مجھے بڑی تکلیف اور خون پسینہ بہانا پڑا ہے۔
اپنی تشہیر اور کمالات کے خوب چرچے کر رہا تھا چنانچہ اس کی باتیں سن کر بہت لوگ جمع ہو گئے، شہر کے تمام اطراف و جوانب میں خبر گرم ہوئی کہ ایک سپیرا ایک اژدہا لایا ہے جو بہت ہی نادر ہے اور قابل حیرت طور پر اس نے شکار کیا ہے۔
تماشا دیکھنے کے لیے ہزاروں ناتجربہ کار اور بے عقل لوگ جمع ہو گئے اور وہ سب اس سانپ والے کے چکر میں پھنس رہے تھے۔
صبح کا وقت تھا۔ جب سورج بلند ہو گیا اور اس کی دھوپ کی گرمی نے اس اژدہے کو گرم کیا تو اس کے جسم سے سردی اور ٹھنڈک کے آثار ختم ہونے شروع ہوئے اور رفتہ رفتہ اس میں زندگی کے آثار دکھائی دینے لگے۔ وہ اژدہا جو بالکل مردہ تھا زندہ ہو گیا اور اس نے حرکت کرنا شروع کر دی۔ خلق اس مردہ اژدہے کی حرکت سے بڑی حیران ہوئی۔
تھوڑی دیر کے بعد وہ اژدہا جب ببر شیر کی طرح حرکت کرنے لگا تو بہت سی مخلوق بھاگتے وقت ایک دوسرے سے ٹکرا کر زخمی ہو گئی اور وہ سانپ والا بھی وہیں خوف سے بے ہوش ہو گیا۔
مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کے بعد نصیحت فرماتے ہیں کہ خوب سمجھ لو کہ نفس گناہوں کے سامان نہ ہونے سے افسردہ اور بے جان معلوم ہوتا ہے لیکن تنہائی اور خلوت میں کسی اجنبیہ یا امرد (بے ریش لڑکے) کے پاس اس کا کیا حال ہوتا ہے۔
خوب یاد رکھو! اگر نفس کو فرعون جیسا سامان و اسباب عیش اور ویسی ہی طاقت مل جائے، اس وقت تمہارا نفس بھی فرعونی بنیاد پر اسی سطح کی سرکشی اور اللہ کی نافرمانی شروع

کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے سینکڑوں حضرات سے فرعون کی طرح مقابلہ کرنے پر تل جائے گا۔

مذکورہ واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

❖ ...... اس حکایت میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنے والوں کے لیے نہایت اہم سبق مولانا نے بیان فرمایا ہے کہ نفس پر کبھی اعتماد نہ کرو کہ وہ اصل فطرت کے اعتبار سے امارہ بالسوء (برائیوں کا حکم کرنے والا) ہے۔ پس شیخ کی صحبت اور طویل عمر مجاہدات کی برکت سے اگر نفس کچھ نیک بھی معلوم ہونے لگے پھر بھی اس سے مطمئن ہو کر بے فکر نہ ہونا یعنی احتیاط میں کوتاہی نہ کرنا جیسا کہ بعض بے وقوف جاہل صوفیوں نے جب ایک عرصہ دراز تک اپنے نفس کو اذکار و اشغال کا پابند دیکھا تو مطمئن اور بے فکر ہو گئے اور اجنبیہ عورتوں اور امردوں (بے ریش لڑکوں/ Teenagers) سے میل جول کرنے لگے اور سمجھے کہ اب ہمارے نفس کو گناہ کا تقاضا مغلوب نہ کر سکے گا لہٰذا کیوں نہ ان کو پاک نظر سے دیکھ کر کچھ نشاط حاصل کر لیا جائے، مگر ان کی پھر کیا حالت ہوئی کہ بری طرح ذلیل ہوئے۔ نفس جو ٹھٹھرا ہوا تھا گناہ کے موقعے کو دیکھ کر زندہ ہونے لگا اور جس نظر کو پاک سمجھا تھا وہی نظر ناپاک اور حرام ثابت ہوئی۔

بالآخر نفس کے سانپ نے ڈس لیا اور راہِ حق میں مردود اور ذلیل ہو گئے۔

اسی وجہ سے ہمارے اکابر بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ خواہ کتنے ہی پرانے متقی ہو جاؤ مگر نفس سے مرتے دم تک بے فکر نہ ہونا، حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بھروسہ کچھ نہیں اس نفس امارہ کا اے زاہد! فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا

نفس کا اژدہا دلا دیکھ ابھی مرا نہیں غافل اِدھر ہوا نہیں، اس نے اُدھر ڈسا نہیں

مصنف کی دیگر کتب